چاندنی

رومانی ناول

ادارہ اشاعت

بلاسس اسٹریٹ

رئیس احمد جعفری

وہیں نوکری مل جاتے، وہاں اُن کی جان پہچان کا ایک آدمی ملازم ہے اس نے وعدہ کیا ہے۔"

میں نے اپنی کُرسی رعنا کے اور قریب کرلی، سگریٹ سُلگایا اور ایک کش لگا کر دُھویں کے چھلّے بناتے ہوئے پوچھا۔

"تمھیں نوکری کا اتنا شوق کیوں ہے؟"

کہنے لگی

"آپ کو نہیں ہے، آپ بھی تو نوکر ہیں"

میں خفیف سا ہو گیا، میں نے کہا

میری بات دوسری ہے میں مرد ہوں۔"

اُس نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور بولی:

"ارے آپ فلم کمپنی میں کام کرتے ہیں اور ایسے خیالات ر... و... نہیں؟ مرد اور عورت، کیا یہ کچھ الگ الگ ہیں؟ اوہ آپ نے مجھے نچ... شاید پردے کی بوبو سمجھ رکھا ہے، جی نہیں میں اس دور سے بہت آگے نکل چکی ہوں۔ یہ دیکھئے میری آنکھیں، ان کی چمک مدھم پڑ گئی ہے، یہ دیکھئے میرا رنگ یہ اُڑ سا چلا ہے۔ یہ دیکھئے میرا چہرہ پیلا ہوتا جا رہا ہے حالانکہ ابھی میری عمر کچھ زیادہ نہیں ۲۰-۲۲ برس کی ہوں گی۔ لیکن میں مایوس نہیں ہوں، کبھی میرا زمانہ بھی آئے گا۔ میری آنکھوں میں پھر چمک آئے گی۔ میرا رنگ پھر لوٹ آئے گا، میں کماؤں گی، کھاؤں گی پیوں گی، پہنوں گی، اوڑھوں گی، آج تو میں ایسی ہوں جیسے بیمار، کل میں صحت مند ہو جاؤں گی، آج میں دوسروں کے اشارے پر چلتی ہوں، کل دوسرے میرے اشارے پر چلیں گے، آج میں ایک

پیسہ کو محتاج ہوں کبھی کبھی فاقہ سے بھی گزارنی پڑتی ہے۔ کل لت مند ہو جاؤں گی۔ امپیریل بنک میں میرے نام کا کھاتہ لے گا، موٹریں گھوموں گی، سیر کروں گی، پیسہ کی جگہ روپیہ خرچ گی، فاقہ زدوں کو کھانا کھلاؤں گی، بنگال کا قحط میری غریبی بانہ میں پڑا ہے مجھے اس کا بڑا افسوس ہے، اگر میری امیری کے ں پڑتا تو ایک آدمی کو بھی بھوکا نہ مرنے دیتی۔ کسی ماں کا بچہ نے دیتی۔ کسی دوشیزہ کو آبرو کا سودا نہ کرنے دیتی، آپ کیا سمجھتے ا لجان صاحب"۔

لمبی سی تقریر کرکے کھلکھلا کر ہنس پڑی، میں بھی اس کے نے لگا اور سوچنے لگا، اس سوکھی ہوئی بے آب و رنگ، لیکن پا شباب لڑکی کے سینے میں کیسی کیسی امنگیں مچل رہی ہیں ۔ ے کیسے طوفان دبے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا:

"بڑی اچھی باتیں کرنا آتی ہیں تمھیں"۔

"ابھی کہاں، ابھی تو سیکھ رہی ہوں، نوآموز ہوں پختہ ہولوں تب دیکھئے گا مجھے"۔

ہونہار بروے کے چکنے پات، اندازہ ہوگیا واقعی بہت کچھ بن سکتی ہو"۔

"اب تک نجانے کیا بن چکی ہوتی۔ لیکن دنیا مجھے بننے نہیں دیتی راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہے"۔

"دنیا کو تم سے کیا مطلب؟"

کیوں نہیں ہے، دیکھئے نا، ایک غریب اور بیوہ عورت کلثوم بی

کی لڑکی ہوں اس کے بجائے اگر کسی رنڈی کی لڑکی ہوتی تو آج بہار دیکھتے، یا اگر کسی مشہور فلم ایکٹرس کے گھر جنم لیا ہوتا تو میرا شان دیکھنے کے قابل ہوتی۔ تماشائی اور تماش بین ٹوٹ پڑتے۔ مجھ ایکٹر جان دیتے میرے نام پر۔ ڈائرکٹر اور پروڈیوسر بھتیجی اور بیٹی کر گلے سے لگاتے، سینے سے چمٹاتے اور سر پر بٹھاتے، سچ کہے ناک نقشہ کس ایکٹرس سے ہیٹا ہے، میری جوانی کسی سے کم ہے رنگ و روپ کسی سے مدھم ہے؟ میں جانتی ہوں میری آواز کن ہے۔ ناچنا بھی آتا ہے اور بہت سی اُچھل کود کرنے والی سے اچھا ناچ لیتی ہوں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ میں اکسٹرا گرل میرا کوئی ذریعہ نہیں، واسطہ نہیں، سفارش نہیں، سپلائر نے جب چاہا رات گزارنے کے لئے اپنے پاس بلا لیا یا اپنے کسی دوست کے پاس بھیج دیا اور دن کو لاری میں بٹھا کر کسی اسٹوڈیو میں پہنچا دیا۔ تھوڑی گھومی پھری کسی سٹ پر ایک آدھ لفظ بول دیا کسی شہزادی یا راج کماری کو پنکھا جھلنے لگی۔ کیمرہ نے میرا عکس لیا اور میں باہر آگئی، چند روپے میری جیب میں پہنچ گئے اور پھر سوچنے لگی، کل کیا ہو گا، کل کہاں جاؤں گی، کل کیا ملے گا۔ اسی لئے تو چاہتی ہوں نوکری مل جائے، موئے سپلائر سے پیچھا چھوٹے، معلوم ہے جو کام کبھی کبھی رات کو مجھ سے لیتا رہتا ہے وہ کمپنی والے بھی لیں گے۔ لیکن آمدنی تو مستقل ہو گی، ترقی کا کچھ امکان تو ہو گا۔ خالی خولی امیدیں تو نہیں ہوں گی، آپ تو بڑے با اثر ہیں دلا دیجئے نوکری۔"

رعنا نے یہ سبھی باتیں بڑی سادگی سے کی تھیں۔ لیکن ان میں
...تلخی تھی، کتنا طنز تھا، کتنا درد تھا، یہ میں اچھی طرح محسوس کر رہا
...ا، میں نے کہا:۔

"وعدہ کرتا ہوں ضرور کوشش کروں گا، مجھ پر اعتبار کرو۔"

...وہ زور سے ہنسی، کہنے لگی

...ہا "وعدہ سن لیا، اب کوشش کا انجام دیکھوں گی، انعام پیشگی
...ے سکتی ہوں، جانتی ہوں آپ کیا انعام مانگیں گے اور میں کیا
...ں گی، آپ کی نظر کہاں ہے، میری پونجی کیا ہے، لیکن اعتبار کا
...نہ لیجئے وہ تو اٹھ چکا، اتنی ٹھوکریں کھا کے یہی تو سبق حاصل
...ہے، دیکھئے خفا نہ ہو جایئے گا، میں نے سچی بات کہی ہے۔ لیکن
...ں میں آپ کا کوئی جرم نہیں، پہلے کہہ چکی ہوں، آپ کی کسی خدمت
...ور کسی حکم سے باہر نہیں ہوں۔"

وہ مسکرانے لگی اور مجھے اپنے اوپر شرم آنے لگی۔ ذرا کے ذرا
یہ کیفیت رہی اور پھر میں مرد بن گیا۔ ایک خوبصورت دوشیزہ میرے
سامنے تھی اور میں اس سے پورا فائدہ اٹھا سکتا تھا، میں نے کہا:۔

اچھا بھئی اعتبار نہ کرو ہم بھی کچھ نہیں کہتے اب، لیکن چند
ہی روز میں معلوم ہو جائے گا سچے تھے یا جھوٹے۔"

وہ پھر مسکرا دی

"انشاء اللہ بھی تو کہئے، آپ لوگ خدا کا نام لئے بغیر تو لقمہ
بھی نہیں توڑتے، پھر کسی کا دل کیا توڑیں گے ——— بیٹھئے
میں ابھی آئی۔"

وہ جلدی سے کمرے کے باہر چلی گئی، میز پر ایک انگریزی "لائف" پڑا ہوا تھا۔ نہ جانے کس اسٹڈیو سے اڑالائی ؟ میں اس کی ورق گردانی کرنے لگا تصویریں بڑی اچھی تھیں کو آدھ گھنٹہ کے بعد وہ آئی آتے ہی معذرت کرنے لگی۔

"معاف کیجئے گا بڑی دیر ہوگئی۔"

میں نے رسمی جواب دیا

"کوئی مضائقہ نہیں۔"

مضائقہ کیوں نہیں آپ کو بڑی تکلیف ہوئی بات یہ تھی اماں گئی ہیں پونہ، گل رخ پڑوس کی اپنی ایک ہمجولی کے چلی گئی تھی میں آپ سے باتوں میں لگی رہی، وہ وہیں کھا پی کر گئی، اب اُسے جاکر لائی، نیند کمبخت کی ایسی ہے کہ جگائے نہیں جاگتی۔ سُلاکر خیال آیا۔ آپ بھوکے ہوں گے۔ سالن دوپہر کا رکھا تھا اماں پکا کے گئی ہیں۔ بڑے مزے کا ہے۔ میں نے جلدی جلدی دو پراٹھے آپ کے لئے بنالئے آیئے چلئے کھا لیجئے۔

واقعی بھوک لگی تھی۔ لیکن میں نے سوچا، لکھنوی چھوکری ہے۔ کیوں نہ تکلف کا نمونہ دکھاؤں:

"بھئی کمال کردیا تم نے، مفت میں یہ تکلیف کی۔ یہاں بھوک کسے لگی ہے؟"

وہ مچل گئی

"اب تو کھانا پڑے گا آپ کو۔"

"نہیں مانیں تو چلو۔"

ہم دونوں گل رُخ کے کمرے میں آگئے وہ ایک چھوٹی سی
ت آٹھ برس کی لڑکی تھی ۔ رضائی اوڑھے سو رہی تھی ایسا
علوم ہوتا تھا جیسے بادل کے چہرے سے چاند جھانک رہا ہے وہ بے
ر سو رہی تھی ۔ ہم دونوں دوسری طرف بیٹھ کر کھانے لگے میں نے
ں سے ایک لقمہ توڑا ہوگا کہ وہ پھر جلدی سے بھاگی ۔

"ابھی آئی"

لقمہ میرے ہاتھ میں تھا فوراً ہی واپس آئی ایک بوتل اس کے
تھ میں تھی وہ اطمینان سے آکر بیٹھ گئی ۔

"آپ کبھی پیتے ہیں نا؟"

میں نے حیرت سے پوچھا :

"یہ شراب ہے ؟"

بوتل کھولتے ہوئے مسکرادی ، کہنے لگی ۔

"نہیں سرکہ ، لیجئے شوق کیجئے "

کسی عورت کو جب میں شراب یا سگریٹ پیتے ہوئے دیکھتا ہوں مجھے اس سے نفرت ہو جاتی ہے ۔ رعنا کی یہ حرکت بھی مجھے بُری لگی ۔ میں نے کہا

"چھی چھی شراب پیتی ہو ، بُری بات "

وہ بے تکلفی سے بولی

"آپ تو وعظ کہنے لگے —————— زیادہ باتیں نہ بنایئے لیجئے ؟

اس نے بوتل میری طرف بڑھادی میں خاموش رہا اُس

نے میری طرف دیکھا، دو گلاسوں میں برابر انڈیلی ایک اپنی طرف بڑھایا دوسرا میری طرف کہنے لگی۔

تکلف چھوڑیئے ——————— یہ تو مان نہیں سکتی کہ آپ نہیں پیتے، ضرور پیتے ہوں گے، پھر یہاں تکلف کیوں؟ رہی میں، میری وہی غالب والی بات ہے یعنی ؎

ایک گو نہ بے خودی مجھے دن رات چاہیئے

یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں پھر غم چمکنے لگا، اس نے کہا "اگر شراب نہ پیوں تو امیدوں کے قلعے ڈھے جائیں گے او دل امنگوں سے خالی ہو جائے اور آپ حضرات کی مسلسل خدمت کی سکت نہ رہے، یہ شراب ہی کا کس بل تو ہے کہ کبھی نہ کسی طرح زمانے کے تھپیڑے سہہ رہی ہوں"۔

لیکن اندر ہی اندر کھوکھلی جو ہوتی جا رہی ہو، ہوتی چلی جاؤ گی"

" او نہہ ہو گا آج گیا ہے جو کل نہیں رہے گا اب تو آرام سے کٹتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے"

اس نے گلاس اٹھایا اور ایک ایک گھونٹ کر کے پینے لگی میں نے بھی اس کی تقلید کی، بھنا ہوا گوشت تھا، کباب تھے قورمہ تھا۔ شراب مزہ دے گئی۔

کھا پی کر ہم دونوں پہلے والے کمرہ میں آ گئے اب رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ رعنا شراب کے نشہ سے بے خود تو نہیں تھی لیکن ہلکا سا سرور ضرور چھایا ہوا تھا اس وقت میرے اوپر بھی یہی کیفیت طاری تھی۔ بمبئی کے موسم کا کچھ ٹھیک نہیں ہوتا باتیں کرتے کرتے

موسلا دھار بارش ہونے لگی ۔ہوا کے جھکّڑ چل رہے تھے ۔ٹھنڈی
...ش گوار ہوا۔ مجھے اٹھتا دیکھکر وہ کہنے لگی ۔

" جا رہے ہیں آپ"

" ہاں. بہت دیر ہو گئی ، گیارہ بج گئے ، تمھاری ضیافت ...
...ت. بہت شکریہ "

وہ کھڑی ہو گئی

"لیکن جائیے گا کیسے بارش .جو ہو رہی ہے ؟"

"جانتا تھا اس وقت نہیں جانے دیا جاؤں گا ۔جی بھی چاہتا
تھا کہ یہیں رہوں لیکن بناوٹی دل سے بولا۔

" ہونے دو ، بارش کیا ، میں طوفانوں کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔
اسٹیشن پاس ہی ہے لپک کے پہنچتا ہوں ، وہاں سے بجلی کی ٹرین ...
ماہم ،" اس نے ہاتھ پکڑ کر مجھے چارپائی پر بٹھا دیا۔

"بنتے .بہت ہیں ، نہ آپ جانا چاہتے ہیں نہ میں جانے دوں گی
بیٹھیے ۔"

" تو مجھے رکھو گی کہاں ؟"

مسکراتی ہوئی بولی

" آپ یہاں سو جائیے .میں گل رُخ کے پاس جاکر سو جاؤں
گی ـــــــ ڈریئے گا تو نہیں اکیلے "

"ضرور ڈروں گا ! اکیلا نہیں رہتا "

" بالکل .بچہ ہیں آپ ، اچھا روتے نہیں ، آدھی رات
آپ دونوں کے پاس رہوں گی "

میں نے اُسے پکڑ کر اپنے قریب بٹھالیا۔

ہاں یہ شرط منظور ہے لیکن رات کا پہلا حصّہ یہاں، دوسرا گلُ رخ کے پاس۔"

اس نے رضائی اوڑھ لی۔

"ہائے اللہ کیسے زور کی ہوا چل رہی ہے مجھے تو جاڑا لگنے لگا۔"

میں نے بھی اسی رضائی میں پناہ لی

"ہاں بھئی سردی بہت ہے۔"

ہم دونوں پاس پاس ایک دوسرے سے مل کر بیٹھ گئے؛ جیسے دو انگیٹھیاں پاس پاس رکھی ہوں، جیسے دو انگارے تلے اوپر رکھے ہوں، میں نے پوچھا،

"اب تو سردی نہیں لگتی؟"

وہ بولی

"اور آپ کو، آپ بھی تو جڑا رہے تھے۔"

ہم دونوں ہنس دیئے، دونوں ایک دوسرے سے اور قریب ہو گئے بہت قریب ——— اور باہر پانی رِم جھم برس رہا تھا، بادل گرج رہے تھے، بجلی چمک رہی تھی، مست ہوائیں چل رہی تھیں

مہُورَت

مظفر نے بڑی دھوم دھام سے اپنی نئی تصویر "آشا" کی مہو
کی اس موقعہ پر فلمی دنیا کے بہت سے ممتاز اصحاب بیٹھے تھے
ایکٹروں اور ایکٹرسوں کی بھی کافی تعداد موجود تھی، "آشا"
ہیروئن ریحانہ تھی، ہیرو عباس فلمی دنیا کا نوجوان ستارہ۔ محمود
آواز مائک نے قبول نہیں کی، لہٰذا انھیں کمپنی کا مینجر بنا دیا گیا۔ یو
تو ہر ایکٹرس کی آج سج دھج قابلِ دید تھی، لیکن ریحانہ تو واقعی پرس
کی پری معلوم ہوتی تھی اور بہت خوش تھی ایسا معلوم ہوتا تھا اُ
کوئی بہت بڑی نعمت مل گئی وہ پھول کی طرح کھلی جا رہی تھی با
کرتے پھول جھڑتے تھے۔ ایک ایک سے مسکرا مسکرا کر مل رہی
مظفر نے تمام بڑے بڑے ڈائرکٹروں، فنانسروں اور پروڈیوسر
سے اس کا تعارف کرایا۔ اُس نے دل موہ لینے والے انداز سے
بڑھ کر مصافحہ کیا، پھر ڈسٹری بیوٹروں اور اگزبیٹروں کی با
آئی ان سے بھی سراپا اخلاق بن کر ملی آخر میں ایکٹروں اور ایکٹر
کا نمبر آیا وہ تو اپنی طرف سے بڑے تپاک سے ملی۔ لیکن صا
معلوم ہوتا تھا یہ ایکٹرسیں کچھ زیادہ خوش نہیں ہیں اس

سُن لازوال سے جھینپی جا رہی ہیں شاید اپنے مستقبل کے بارے میں
کر مند تھیں، اور یہ خیال تو سب کے دل میں تھا کہ اس لائن میں
وات برادری سے باہر کی ایک عورت بڑے کلّے ٹھلّے کی بڑے
ٹھتے سے آئی ہے۔ اگر یہ شریف خاندان اور تعلیم یافتہ دوشیزائیں
بھی ایکٹرس بننے لگیں تو شاید ہمیں پھر اپنے اُجڑے ہوئے کوٹھے آباد
کرنا پڑیں گے۔ ان کے آگے ہماری پوچھ کیا ہوگی، ڈائرکٹروں کا طبقہ
بہت خوش تھا کئی ڈائرکٹروں نے تو یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر یہ
کامیاب رہی تو دوسری تصویر میں ہم اُسے منہ مانگے دام دے کر
اپنے ہاں بُلوائیں گے۔

منظفر سب کی دلی اور ذہنی کیفیت سمجھ رہا تھا اور لطف لے
رہا تھا اتنے میں اطلاع ملی کہ سٹ تیار ہے۔ مہورت یعنی افتتاح
کے موقع پر کوئی مختصر سا سین لیا جاتا ہے تاکہ حاضرین کو معلوم
ہوجائے اس فلم کا اُٹھان کیسا ہے۔ سب لوگ تیر کی طرح سٹ
پر پہنچے، عباس کی طرف کسی نے نگاہ غلط انداز سے بھی نہیں دیکھا
حالانکہ اس کی سج دھج بھی قیامت کی تھی بڑا بانکا اور سجیلا نوجوان
تھا البتہ ریحانہ پر سب کی للچائی ہوئی نظریں پڑنے لگیں جیسے بہت
سی بلیوں کے آگے گوشت کا ایک اچھا سا ٹکڑا ڈال دیا جائے۔ ویسے
بھی ریحانہ قیامت سے کم نہ تھی۔ لیکن سٹ پر جب وہ ہیروئن بنی
ہوئی ایک دیہاتی دوشیزہ کے لباس میں لہنگا اور کُرتی پہن کر نمودار
ہوئی تو سب نے دل تھام لیئے اور تو اور منظفر کی نگاہوں سے بھی
صاف معلوم ہو رہا تھا کہ "حلوائے خوب است" کا معاملہ ہے۔

اس، ہجوم میں عارفہ بھی موجود تھی اور وہ بڑے غور سے منظفر کے تیور دیکھ رہی تھی میں نے اگر عارفہ کو اتنے غور سے منظفر کی طرف دیکھتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو شاید مجھے پتہ بھی نہ چلتا کہ منظفر کی آنکھوں کے راستہ دل میں کیا اترا جا رہا ہے، لیکن عارفہ نے مجھے دیکھ لیا شاید سمجھ گئی کہ میں اس کی اور منظفر کی طرف جاسوسانہ نظروں سے دیکھ رہا ہوں فوراً اُس نے رُخ دوسری طرف کر لیا اور مہانوں کی خاطر مدارات میں مصروف ہو گئی۔

مہورت کے بعد لوگ رخصت ہو گئے۔ ہم لوگ بھی اپنے اپنے گھر آ گئے۔ مجھے آج کمپنی میں کوئی خاص کام نہیں تھا۔ میں بھی اُن کے ساتھ ساتھ شیواجی پارک آ گیا۔ گھر پہنچنے کے بعد میں نے کپڑے بدلے اور منظفر کے ہاں پہنچ گیا، محمود کہہ رہا تھا:

"میں بار بار آنکھیں مل مل کر دیکھ رہا تھا کہ یہ ریحانہ ہے یا کوئی اور، غضب کا میک اپ تھا۔"

ریحانہ اس داد پر بہت خوش ہوئی، اُس نے کہا

"شاید میک اپ میں کوئی کمزوری رہ گئی تھی؟ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

منظفر نے مداخلت کی۔"

بالکل نہیں ———— واقعی قیامت کا میک اپ تھا۔ اگر ایسی اداکاری بھی رہی تو میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ دنیائے فلم کی سب سے زیادہ مقبول اور محبوب ہستی تم بن جاؤ گی شہرت تمہارے قدم چومے گی، دولت تمہاری بلائیں لے گی۔"

اس نے ذرا شرماتے ہوئے کہا
"اب زیادہ نہ بنایئے بہت سُن لیں آپ لوگوں کی باتیں۔"
عارفہ نے کہا
"ریحانہ واقعہ یہ ہے کہ تم نے میک اپ بھی بہت اچھا کیا تھا اور اپنا کام بھی بڑی ستھرائی سے کیا۔ واقعی فلم کے پردہ پر چاند بن کر چمکو گی۔"
ریحانہ نے کہا
"پھر تم بھی میرے ساتھ کیوں نہیں چمکتیں؟"
عارفہ بولی
"مجھے چمکنے میں لطف نہیں آتا۔"
محمود نے ایک قہقہہ لگایا
"کر گئیں چوٹ بھابی۔"
مظفر نے کہا
"جلتی ہیں یہ تمھارے اٹھان کو دیکھکر لیکن بھابی اس میں ہماری کیا خطا ہے ہم نے سب سے پہلے انھیں کو آفر دی تھی۔"
عارفہ نے جواب دیا
"شکریہ عزت افزائی کا نہ مجھے جلنے کی ضرورت ہے نہ آپ کی آفر قبول کرنے کا، ریحانہ میری بہن ہے اس کی ترقی دیکھکر میں جلوں گی کیوں؟ آپ اپنی باتیں اپنے ہی تک رکھئے، میرا اور ریحانہ کا جھگڑا نہیں ہوسکتا مطمئن رہئے۔"

مظفر نے مجھ سے کہا
"کہئے انجان صاحب آپ تو بالکل گم سم بیٹھے ہیں، آپ بھی
کچھ رائے دیجئے۔"
"کس بارے میں؟"
"ریحانہ کا کام کیسا رہا؟"
"بہت اچھا"
ریحانہ نے مجھے سگریٹ پیش کرتے ہوئے مظفر سے کہا
"انجان صاحب کا معاملہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"
"یعنی کیا مطلب؟"
"آپ کے یہ اتنے بڑے دوست ہیں ہمسایہ ہیں میں نے
سنا ہے آپ نے "آشا" انھیں سے لکھوائی ہے۔ لیکن مستقل طور
پر یہ غیروں کے یہاں کام کرتے ہیں، ہمارے ہاں کیوں نہیں کرتے"
مظفر نے کہا
"یہ انھیں سے پوچھو۔"
وہ بولی
بتایئے انجان صاحب کیا جواب ہے آپ کے پاس اِس
الزام کا۔"
میں نے کہا
کوئی خاص بات نہیں، بات ایک ہی ہے مطلب کام
سے ہے وہ کر دیتا ہوں آپ کو تو معلوم ہے "آشا" کی کہانی میری
ہی لکھی ہوئی ہے۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے آپ کو ہماری کمپنی میں مستقل طور پر آ جانا چاہیئے"

محمود نے کہا

"بے شک"

مظفر نے تائید کی

"اگر انجان صاحب مان جائیں تو ان کے ساتھ تم لوگوں بھی مٹھائی کھلاؤں"

ریحانہ بچوں کی طرح لپک کر بولی:

"کہیے انجان صاحب کیا فیصلہ ہے آپ کا، ایک طرف آپ اکیلے ہیں دوسری طرف ہم سب؟"

میں نے کہا

یہی سہی اگلے مہینے میرا کنٹریکٹ ختم ہو رہا ہے آپ کے ہاں آ جاؤں گا"

"شکریہ مظفر بھیا اب مٹھائی کب کی رہی۔

محمود نے کہا

"پہلے یہ اپنا وعدہ تو پورا کریں ایسا نہ ہو مٹھائی کھالو اور یہ اگلے مہینے پھر کنٹریکٹ کی تجدید وہیں کریں"

ریحانہ بولی

"بڑے شکی ہو تم تو"

مظفر نے کہا

"نہیں انجان ایسا آدمی نہیں ہے"

میں نے کہا

"میں تو خیر اگلے مہینہ سے آؤں گا لیکن اگر آپ کو معمولی کام
کے لئے مثلاً سہیلی وغیرہ کے کام کے لئے کسی اوسط درجہ کی
ایکٹرس کی ضرورت ہو تو میں ایک نام کی سفارش کر سکتا ہوں"

ریحانہ چونک پڑی

"یہ کیا انجان صاحب؟"

محمود نے کہا

"یعنی آپ تو بڑے حضرت معلوم ہوتے ہیں"

مظفر نے کہا

"یہ کام کب سے شروع کیا"

"مذاق نہیں کرتا واقعی وہ ایک اچھی لڑکی ہے فی الحال
بدرجۂ مجبوری اکسٹرا گرل کے طور پر کام کر رہی ہے لیکن مستقل
ملازمت چاہتی ہے میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں اگر آپ کے
ہاں کام بن جائے تو اچھا ہے ورنہ کہیں دوسری جگہ کوشش
کرنی پڑے گی"

مظفر نے پوچھا

"کیا نام ہے اس کا؟"

میں نے جواب دیا

"رعنا"

"گانا جانتی ہے؟"

"ہاں تھوڑا بہت"

"ناچ ؟"

"ناواقف نہیں ہے۔"

"آواز ؟"

"ٹھیک ہے"

"صورت ؟"

"مجھ سے اچھی ریحانہ سے بُری۔"

سب لوگ ہنس پڑے، مظفر نے کہا:

"رکھ لیں گے بھیج دینا۔"

ریحانہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے محمود سے مخاطب ہو کر کہا

"مجھے تو کچھ دال میں کالا معلوم ہوتا ہے۔"

"کیوں ؟"

"یہ انجان صاحب تو بڑے سیانے دکھائی پڑتے ہیں خدا خیر کرے۔ کیوں انجان صاحب رعنا کی عمر کیا ہے ؟"

"یہ ہی کوئی بیس بائیس سال۔"

"اس کی شادی ہو چکی ہے ؟"

"نہیں ابھی نہیں"

"اور آپ کی۔"

مظفر اور محمود نے مل کر پھر ایک قہقہہ لگایا، ریحانہ نے کہا "آپ لوگ ہنس رہے ہیں اور مجھے یہاں کچھ اور ہی گل کھلتا نظر آرہا ہے۔"

میں نے کہا
" آپ تو اتنی تجربہ کارانہ باتیں کر رہی ہیں کہ مجھے حیرت ہو رہی ہے "
ریحانہ ذرا جھینپ گئی، محمود نے کہا
" ریحانہ اب چپ ہو جاؤ انجان صاحب نے تمھیں شکست دے دی "
ریحانہ نے کہا
" کب بھیجیں گے آپ مس رعنا کو "
" کل ہی بھیج دوں گا "
وہ شرارت سے مسکرائی شریر نظروں سے مجھے دیکھا اور آہستہ سے بولی
" اتنا انتظار نہ ہو سکے گا کیا آج کوئی صورت ملاقات کی نہیں نکل سکتی "
منظفر نے ہنستے ہوئے گھڑی دیکھی رات کے ساڑھے نو بجے تھے ریحانہ سے کہا :
اب اس لائن میں آئی ہو تو تمھیں فلم ہر روز دیکھنی چاہئے اُر[illegible] کی نہیں انگریزی کی ان فلموں سے بہت سے سبق ملیں گے
ریحانہ نے کہا
ٹھیک ہے میں بھی یہ فیصلہ کر چکی ہوں کہ انگریزی کی کوئی فلم مس نہیں کروں گی "
" تو چلو آج کلوپیٹرا دیکھ آئیں ——— چلتے ہو محمود

محمود نے سر کھجاتے ہوئے کہا

"نہیں بھائی میں نہ جا سکوں گا مینجر بنا کے تم نے کام کا اتنا بوجھ ڈال دیا ہے کہ تھک گیا۔ تم دونوں جاؤ میں سوتا ہوں"

منظفر نے پھر گھڑی کی طرف دیکھ کر ریحانہ سے کہا

"تو چلو پھر"

"چلتی ہوں ذرا کپڑے تو بدل لوں"

"اتنا وقت نہیں ہے، دیر ہو جائے گی دو ایک سین چھوٹ جائیں گے اور میں انگریزی فلموں کے اوپننگ سین خاص توجہ سے دیکھتا ہوں ——— کپڑے ٹھیک ہیں۔

"بس چلو"

"چلئے"

دونوں کھٹ کھٹ کرتے زینہ سے اتر گئے اور موٹر میں بیٹھ کر سینما روانہ ہو گئے اب محفل سونی ہو چکی تھی

میں جانے کے لئے اٹھا اتنے میں عارفہ آگئی آج بچہ کی طبیعت کچھ خراب تھی وہ اسی لئے تھوڑی دیر ہماری محفل میں بیٹھنے کے بعد چلی گئی اب وہ سو گیا تو آئی اس نے دیکھا میں جا رہا ہوں محمود اپنے کمرے کا رُخ کر رہا ہے۔ ریحانہ اور منظفر نہیں ہیں۔ بولی

"ریحانہ کہاں ہے؟"

"وہ تو سینما گئی"

"کس کے ساتھ؟"

"منظفر لے گئے ہیں کوئی انگریزی فلم دکھانے"

"بس وہی دونوں ؟
"کہہ تو مجھ سے بھی رہے تھے لیکن میں تھک زیادہ گیا تھا
اس لئے نہیں گیا! ____________ میں تو اب سوتا ہوں بھابی"
محمود اپنے کمرے میں چلا گیا اُسے جاتے دیکھکر عارفہ مسکرائی
اس تبسم میں طنز بھی تھا اور تلخی بھی۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب
ہوئی :-
"آپ کو انگریزی فلموں کا شوق نہیں ہے انجان صاحب"
"کچھ زیادہ نہیں"
"تھوڑا بہت تو ہے"
"جی ہاں تھوڑا بہت تو ہے"
"پھر آپ بھی چلے جاتے"
"چلا تو جاتا لیکن میں ایک سے زائد بار یہ فلم دیکھ چکا ہوں"
حالانکہ اگر مظفر کہتا تو ضرور اس کے ساتھ جاتا لیکن عارفہ
کے سامنے اس خیال کا اظہار نہ کرسکا پھر اس نے پوچھا :-
"کس فلم میں گئے ہیں ؟"
"کلوپیٹرا میں"
عارفہ کا چہرہ سفید پڑگیا لیکن فوراً اپنے اوپر غالب
آگئی ، میں نے کہا
"اچھا اب چلتا ہوں"
میں اپنے فلیٹ میں آگیا بڑی دیر تک سوچتا رہا۔ ریحا
اور مظفر کے تنہا جانے کی خبر سنکر عارفہ پر کوئی خاص اثر

پڑا لیکن کلو پیٹرا کا نام سُن کر وہ مغموم و متأثر کیوں ہوئی؟ پھر مجھے یاد آیا ابھی دو تین ہی دن کی بات ہے ریحانہ کی آمد سے ایک دن پہلے کی کہ عارفہ نے مظفّر سے کہا تھا چلو کلوپیٹرا دیکھ آئیں۔ سُنا ہے بڑی اچھی فلم ہے اور بڑا رش ہے۔ لیکن مظفّر نے دردِ سر کا بہانہ کر دیا تھا۔ قدرتاً وہ سوچنے پر مجبور ہوئی ہوگی۔ آج تو دردِ سر نہیں تھا۔ گئے تو مجھے کیوں نہیں لے گئے؟ میں کہیں باہر تو نہیں گئی تھی؟ یہیں تھی اپنے گھر میں، لیکن وہ بڑی ضابط اور خاموش عورت تھی۔ مجھے یقین تھا وہ اشارۃً بھی مظفر سے اس کج مہری کی شکایت نہیں کرے گی، نہ ریحانہ پر یہ ظاہر ہونے دے گی کہ اُسے اس حرکت سے کچھ رنج اور صدمہ پہنچا ہے۔

دوبارہ

دوسرے دن شام کو میں پھر باندرہ پہنچا، وہی پُر بھا بلڈنگ، وہی رعنا کا گھر اُس نے بڑھکر میرا استقبال کیا، وہ کچھ خوش تھی، کچھ مغموم یہ دونوں کیفیتیں ہر وقت اس پر طاری ہوتی رہتی تھیں، خوش اس لئے نظر آتی تھی کہ ہر حالت میں خوش رہنا چاہتی تھی اور مغموم یوں نظر آتی تھی کہ غم اور پریشانی کا اس کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔ کہنے لگی:

"میرے بڑے نصیب کہ آپ پھر آئے۔"

"ہر موقعہ پر اپنے لکھنوی ہونے کا ثبوت نہ دیا کرو، گل رُخ کہاں ہے؟"

"پڑوس میں گئی ہے اپنی گڑیا لے کر۔ آج بیاہ کرے گی اُس کا۔"

"اور تمھاری اماں پونہ سے واپس آگئیں؟"

"ابھی نہیں شاید آج یا کل واپس آجائیں۔"

"کوئی خط بھی نہیں آیا۔"

"آیا ہے۔"

"کیا لکھا ہے ؟"

"لکھا ہے یہاں کوئی منہ بھی نہیں لگاتا ایک آخری کوشش دوسری کمپنی میں کررہی ہوں وہاں سے سیدھا یا اُلٹا جواب لے کر دو ایک دن میں آجاؤں گی۔"

اس کا کھلا ہوا چہرہ مرجھا گیا۔ میں نے کہا

"پریشان ہو گئیں تم تو۔"

"نہیں ——— میں تو عادی ہو چکی ہوں۔ اماں کے بڑھاپے پر ترس آتا ہے بیچاری نہ جانے کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھا رہی ہوں گی۔"

میں نے اِن باتوں سے بالکل بے تعلق ہو کر کہا

"رعنا"

بولی

"فرمائیے۔"

میں نے کہا

"ایک بات کہوں، مانو گی۔"

"فرمائیے کیوں نہ مانوں گی۔"

"تم نوکری چاہتی ہو نا"

"ہاں"

"آؤ میں تمھیں نوکر رکھ لوں۔"

اُس کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا، اُس نے کہا:۔

"آپ نے مجھے سمجھا کیا ہے۔"

"عورت"

"لیکن کس قسم کی؟"

میں ذرا چکرا گیا۔ آج کی رعنا، اس روز میرے پہلو میں رات گذارنے والی رعنا سے کس درجہ مختلف تھی۔ میں نے کہا۔

"بہت اچھی"

وہ ہنس پڑی، کہنے لگی۔

"ایسا مذاق اب نہ کیجئے گا"

ان الفاظ میں التجا تھی۔ میں نے کہا

"نہیں کروں گا"

وہ ایک تاثر کے عالم میں بولی

"میں غریب ہوں شریف ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی اور کروں کس منہ سے، ابھی پرسوں ہی کی بات ہے کہ آپ خود میری شرافت کا رات بھر امتحان لے چکے ہیں اور آپ ہی پر کیا اور بھی نہ جانے کتنے اور کیسے کیسے لوگ، لیکن اس کے باوجود میں داشتہ نہیں بن سکتی، میں اپنی زندگی سنوارنا چاہتی ہوں اور اس سنوارنے میں اپنے آپ کو وقتی اور عارضی طور پر کبھی بیچ لیتی ہوں کبھی مفت نذر کر دیتی ہوں، لیکن سودا بن کر زندگی نہیں بسر کر سکتی، مستقل طور پر نہیں بک سکتی، کسی کی نوکر بن کر اپنا آپ اُس کو نہیں دے سکتی۔ اگر کسی کو اپنا آپ دوں تو اس میں میری مرضی اور ارادے کو بھی دخل ہوتا ہے۔

میں نے کہا

"خفا ہوگئیں میں نے یوں ہی مذاق میں کہا تھا۔ تم نے سچ مان لیا۔"

وہ ایک ادا کے ساتھ بولی

سچ مان لیتی تو آپ یہاں نہ ہوتے، جھوٹ سمجھ کر بھی مجھے آپ کی وہ بات اچھی نہیں لگی، آپ کو میں چاہتی تو نہیں۔ ناپسند بھی نہیں کرتی، چاہتی ہوں آپ سے میل جول قائم رہے اِسی لئے ٹوک دیا، وعدہ کیجئے اب ایسی بات کبھی نہیں کہئے گا۔"

"اچھا بھئی وعدہ کرتا ہوں ——— تم نے میری وہ بات بھی بھلا دی جو میں کہہ رہا تھا۔"

"کہئے کیا کہہ رہے تھے۔"

میں نے واقعی تمھارے لئے نوکری تلاش کر لی ہے ایک فلم کمپنی میں۔

" وہ خوش ہوگئی سارا غصہ جاتا رہا۔

"سچ"

"ہاں بھئی سولہ آنہ سچ۔"

"کہاں؟"

"ایک نئی فلم کمپنی کھلی ہے، اس میں۔"

وہ سارے معاملات اسی وقت طے کر لینا چاہتی تھی۔

"تنخواہ کیا ملے گی؟"

"یہ تو ابھی طے نہیں ہوا۔"

مزید اطمینان کے لئے اُس نے پوچھا؛

"پھر بھی اندازاً"

"دو تین سو سے کیا کم ملیں گے۔"

خوشی کے جوش سے وہ بے خود ہو گئی۔

"بس اتنا کافی ہے امّاں آرام کریں گی۔ گُل رُخ پڑھے گی، میں کام کروں گی خوب کماؤں گی ذرا موقعہ ملنے دیجئے پھر دیکھئے کہاں سے کہاں پہنچتی ہوں۔"

میں نے کہا

"بہت خوش ہو۔"

ہاں بہت زیادہ، سب سے بڑی خوشی تو یہ ہے کہ موئے سیلائر سے پیچھا چھوٹا اب اُسے گھر میں قدم تھوڑے رکھنے دوں گی، منہ سے ہر وقت شراب کی بو آتی رہتی ہے کمینے کے۔"

"ٹھیک ہے مت آنے دو، اور میں؟ میں بھی آسکوں گا یا نہیں؟"

"آپ کو کون روک سکتا ہے۔"

بڑی دیر تک ہم لوگ باتیں کرتے رہے، آج وہ بہت خوش تھی، بات بات میں کلی کی طرح کھلی جا رہی تھی، گل رُخ اپنی گڑیا کا بیاہ کرکے آئی تو اُسے بہت پیار کیا۔ اس کی گڑیا کے لئے اچھے اچھے کپڑے سینے کا وعدہ کیا، پھر اُسے کھانا کھلا کر سُلا دیا اور پھر مجھ سے باتوں میں لگ گئی دنیا جہان کی باتیں، ابّا یہ کرتے تھے اس طرح جئے، اس طرح مرے، امّاں کی عمر شادی کے وقت گیارہ سال کی تھی، میں ان کی گیارہویں لڑکی ہوں، نہ جانے کیا

انجم علّم باتیں کئے جا رہی تھی۔ اتنے میں ریڈیو گانا گانے لگا۔ اُس نے منہ بنا کر ریڈیو بند کر دیا اور کہا:

"میں آپ کو گانا سُناؤں۔"

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔"

لہک لہک کے گانے لگی۔ میں نے کہا

"آہستہ آہستہ گاؤ پاس والے سُنیں گے تو کیا کہیں گے۔"

انگوٹھا دکھا کر بولی

"کیا کہیں گے، انھیں حق کیا ہے کہنے کا، کچھ اُن کا دیا کھاتے ہیں، ہمارا گھر ہے جو چاہیں کریں۔"

لیکن پھر وہ آہستہ آہستہ گانے لگی۔ میں نے گانا ختم ہونے کے بعد کہا۔

"ناچنا بھی تو آتا ہے تمھیں"

"ہاں آتا ہے۔"

"تو دکھاؤ نا"

"دیکھیں گے؟"

"کیوں نہیں۔"

ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولی:

"میں سمجھ گئی۔"

"کیا سمجھ گئیں بھلا؟"

"آپ کمپنی کی طرف سے میرا امتحان لے رہے ہیں، کیوں ہے نا یہی بات؟"

میں نے مُسکراتے ہوئے کہا

"یہی سمجھ لو"

"سمجھ لو کیا۔ بات یہی ہے صاف صاف کہئے نا"

میں نے کہا

"تم تو لڑنے لگیں، دکھاؤ ذرا ہم بھی دیکھیں، تمھاری کمر کس طرح لچکتی ہے، تم بل کس طرح کھاتی ہو"

مسکراتی ہوئی دوسرے کمرے میں گئی اور تھوڑی دیر میں چھم چھم کرتی، گھنگھرو باندھے آگئی۔ کمرے کے نامنا سب فرش پر وہ بھاؤ بتا بتا کر ناچنے لگی، ناچ کمزور تھا، لیکن صاف معلوم ہوتا تھا اگر کوشش کرے گی تو اچھا ناچنے لگے گی۔

جب وہ ناچتے ناچتے تھک گئی اور ہانپنے لگی تو میں نے کہا۔

"بس کرو تھک گئیں تم"

اس نے ناچ ختم کر دیا اور بڑے بڑے سانس لیتی ہوئی میرے پاس آکر بیٹھ گئی اور پوچھنے لگی۔

"کہئے کیسا تھا ناچ؟"

"اچھا تھا"

وہ اٹھلا کر بولی

"او نہہ سچ کہئے"

"واقعی اچھا تھا مشق زیادہ نہیں ہے۔ تھوڑے دنوں میں وہ بھی ہو جائے گی"

وہ پھر جھپ سے دوسرے کمرے میں چلی گئی اور لباس بدل

کر آگئی۔ میں نے گھڑی دیکھی، بارہ بج رہے تھے۔

"اب چلوں خاصی رات آگئی۔"

"جائیں گے آپ۔"

"ہاں اور کیا۔"

"پھر بنے آپ۔"

"یہ لو، تو کیا یہیں رہ جاؤں۔"

"اہا جیسے ان کا جی چاہ ہی نہیں رہا ہے ——— اُتاریئے کوٹ۔"

پھر وہ خود لپک کر آئی اور میرا کوٹ اپنے ہاتھ سے اُتارنے لگی، میں نے کہا

"اچھا بھئی رہ جاؤں گا، لاؤ، میں خود اُتارتا ہوں کوٹ۔"

بولی

جی نہیں ہم اتاریں گے۔

وہ کوٹ اُتارنے لگی، میں نے کہا

"کچھ یاد ہے۔"

"کیا"؟

"کچھ وعدہ کیا تھا تم نے۔"

"بتایئے پورا کروں گی اُسے۔"

کوٹ اتار چکی تو میں نے کہا

"انعام کا وعدہ تھا، یاد ہے۔"

"ہاں خوب یاد ہے۔"

"وہ پھر چھپ سے دوسرے کمرے میں چلی گئی اور وہاں سے وہی شراب کی بوتل لئے ہوئے نمودار ہوئی، میری تیوریاں چڑھ گئیں۔

"پھر وہی شراب"

ارے آپ تو خفا ہو گئے"

"ہاں تم شراب نہ پیا کرو"

"کیوں نہ پیا کروں"

"میں کہتا ہوں اس لئے"

"اچھا ——— نہیں پیوں گی"

وہ بوتل لے کر چلی، میں نے کہا

"کہاں چلیں"

"جاؤں رکھ آؤں اسے"

"پھر کسی وقت کے لئے؟"

وہ مسکرا دی، اُس نے بوتل توڑ دی، شراب پھینک دی۔

"اب تو ہوئے آپ خوش؟"

"ہاں اب میں خوش ہوں، شاباش، اب کبھی نہ پینا"

بہت اچھا سرکار، یہ گناہ اب کبھی سرزد نہیں ہوگا۔ آپ راضی تو ہوں کسی طرح"

پھر وہ بولی

"اچھا انعام میں میں اپنے آپ کو پیش کرتی ہوں، ہے منظور"

"بڑی خوشی سے لیکن کب تک کے لئے؟"

وہ شرارت سے بولی

"آج رات بھر کے لئے"

"صرف"

"ہاں صرف"

"یہ ناکافی ہے"

"بہت کافی ہے اور نہ بدہضمی کا اندیشہ ہے"

ہم دونوں ہنسنے لگے ——— اور ساری رات اسی نشاط وطرب کی رنگینیوں میں بسر ہوگئی۔

دوسرے دن میں حسبِ وعدہ رعنا کو لے کر ایسٹرن فلمس کے دفتر پہنچا اور سیدھا محمود کے کمرے کا رُخ کیا وہاں اس وقت مظفر بھی تھا اور ریحانہ بھی، میرے ساتھ رعنا کو دیکھ کر سمجھ گئے، یہی لڑکی ہے جس کا ذکر میں نے کیا تھا، مظفر نے کہا

"آپ ہی ہیں رعنا ہیں؟"

وہ مسکراکر مصافحہ کے لئے بڑھی، میں نے محمود اور ریحانہ کا تعارف بھی کرا دیا اور مظفر سے کہا:

آج ایگریمنٹ ان سے ہو جانا چاہتے۔

محمود بولا

"ضرور ہوگا"

مظفر نے کہا

"ابھی ہوگا"

ریحانہ خاموش اُس کے لبوں پر شرارت سے بھرا ہوا تبسم

کھیل رہا تھا اور وہ میری طرف مسلسل دیکھے جا رہی تھی، میں نے شرما کر نظریں نیچے جھکا لی۔

منظفر اور محمود نے رعنا سے شرائط ملازمت طے کئے اور تین سو روپیہ ماہوار پر اس سے سال بھر کا معاہدہ کر لیا میں چلنے لگا تو منظفر نے کہا:

تمھارا کہنا تو ہم نے مان لیا' ہم سے وعدہ کر چکے ہو وہ بھی یاد ہے؟

ہاں بھئی اطمینان رکھو بالکل یاد ہے۔

ریحانہ اب رعنا سے مخاطب ہوئی۔

مس رعنا ہم چاہتے ہیں، انجان صاحب بھی ہمارے ہاں آ جائیں، وعدہ تو کر چکے ہیں، لیکن دیکھئے پورا بھی کرتے ہیں یا نہیں آپ بھی ذرا سفارش کر دیجئے گا۔"

اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور خاموش ہو گئی، میں ریحانہ کے تبسم کا وار سہتا ہوا باہر آگیا۔

ایک رات

ایسٹرن فلمز کا کام باقاعدگی کے ساتھ شروع ہو چکا تھا محمود مینجر تھا۔ ریحانہ ہیروئن، صرف ہیروئن نہیں، بہت کچھ، بڑی ذہین لڑکی تھی، بہت جلد اُس نے مظفر پر اپنے حُسن و جمال سے زیادہ اپنی سوجھ بوجھ، معاملہ فہمی اور کاردانی کا سکہ بٹھا لیا۔ وہ اب ہیروئن کم تھی، سارے نگار خانہ کی مالک و مختار بنی ہوئی تھی، ہر معاملہ میں دخل دیتی تھی اور ہر معاملہ میں مظفر کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا تھا، کون سی اسٹوری لی جائے، کون سا گانا منتخب کیا جائے، کون سا اداکار رکھا جائے۔ کس ایکٹر سے کنٹریکٹ کیا جائے، کام دِن کو ہو یا رات کو، ایکسٹرا گرل سپلائر سے کس شرح پر معاملہ کیا جائے، آرٹسٹ کو کیا تنخواہ دی جائے، کن کن اخبارات میں پبلسٹی کی جائے، کتنے ہینڈ بل چھاپے جائیں، کتنے پوسٹر، کتنے بک لٹ، کون سا پریس اس کام کا اہل سمجھا جائے، فلاں ایکٹر نے سٹ پر کیمرہ مین سے جھگڑا کیا، اُسے کیا سزا دی جائے، فلاں ایکٹرس میوزک ڈائرکٹر سے اُلجھ پڑی اس سے کیا سلوک کیا جائے، یہ اور اس طرح کے تمام معاملات صرف ریحانہ کی مرضی سے طے پاتے تھے، اُس کی رائے بالکل

آخری ہوتی تھی، اس نے ایک بات کہہ دی، اب نہ محمود کچھ کہہ سکتا تھا، نہ مظفر، رہا میں تو محض ایک خاموش اور غیر جانب دار تماشائی تھا، پہلی کمپنی چھوڑ کر اب میں نے یہیں سے مستقل رشتہ قائم کر لیا تھا، لیکن صرف اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔ اندرونی سیاست میں بالکل دخل نہیں دیتا تھا رعنا کا میری وجہ سے کافی خیال رکھا جاتا تھا اور وہ خود بھی کافی سمجھدار تھی کبھی ایسی نوبت ہی نہیں آنے دیتی تھی کہ ریحانہ کو یا مظفر کو اعتراض کا موقعہ ملے۔ غرض زندگی ایک ڈھرّے پر چلی جا رہی تھی اور اچھی طرح بسر ہو رہی تھی، رعنا سے میرے تعلّقات بڑھتے چلے جا رہے تھے، یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ ہم دونوں میں محبّت تھی یا عشق کے جراثیم پرورش پا رہے تھے لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ ہم دونوں کا یارانہ روز افزوں ترقی پر تھا۔ میری راتوں کا بڑا حصہ رعنا کے گھر پر گزرتا تھا وہ اب سیلائر سے بے نیاز ہو چکی تھی اور واقعی اُس نے ممانعت کر دی تھی کہ اب وہ اس کے دروازے پر قدم نہ رکھے۔

عارفہ بدستور اپنی روش پر قائم تھی وہ کالج کی پروفیسری کرتی تھی، اپنے بچہ سے دل بہلاتی تھی۔ محمود اور ریحانہ کی خاطر کرتی تھی، مظفر پر اُسے بڑا اعتماد تھا وہ مظفر کو پارسا اور پاک باز تو نہیں سمجھتی تھی لیکن اس کا یہ خیال ضرور تھا کہ وہ اپنی محبّت کے دامن پر داغ لگنے دے، ایسا کبھی نہیں کر سکتا وہ اُس کی قربانیوں کو بھول جائے یہ نہیں ہو

سکتا۔ وہ جانتا تھا عارفہ نے اُس کے لئے ماں باپ تک کو دشمن بنا لیا۔

ایک روز رات کو میں مظفرؔ کے گھر میں حسبِ معمول بیٹھا تھا، محمودؔ ابھی ابھی آیا تھا۔ ریحاؔنہ بھی موجود تھی کھانے کا وقت ہو چکا تھا اور مظفرؔ کا انتظار کیا جا رہا تھا وہ نہ جانے کہاں رہ گیا تھا، اب تک نہیں آیا تھا ریحاؔنہ نے عارفہ سے کہا:-

عارؔفہ بہن ہم نے مکان کا انتظام کر لیا۔

وہ حیرت سے بولی

مکان کا انتظام کر لیا، کہاں؟

" یہیں شیواجی پارک میں ایک موقعہ کا فلیٹ مل گیا ہے۔ چار ہزار پگڑی کے طے ہوئے ہیں کمپنی سے کل یہ رقم لے کر فلیٹ پر قبضہ کر لوں گی۔

عارفہ نے کہا

" لیکن تمھیں ایک نئے گھر کی اتنی ضرورت کیا ہے کہ چار ہزار خرچو "

محمود بولا

" کیوں نہیں ہے مہمان داری کی بھی ایک حد ہوتی ہے آخر کب تک "؟

ریحانہ نے کہا

" اتنے دن تو رہتے پھر پاس ہی تو ہے "

عارؔفہ نے فیصلہ کُن انداز میں کہا۔

"یہ نہیں ہو سکتا، تم نہیں جا سکتیں، تمھیں یہیں رہنا ہو گا ——"

ممنونیت کے لب ولہجہ میں ریحانہ بولی

"نہیں بہن اب نہیں۔"

عارفہ نے کہا:

"میں پوچھتی ہوں آخر کیوں —————— تمھیں مجھ سے کوئی شکایت ہے؟"

"نہیں تو یہ کرو۔"

"کوئی تکلیف ہے؟"

"بالکل نہیں۔"

"سچ سچ کہنا۔"

"بالکل سچ کہہ رہی ہوں —————— تم نے ایک بہن کی طرح مجھے رکھا۔ بہن کی طرح سلوک کیا، تمھارے پاس تکلیف کیسے ہو سکتی ہے، تم سے شکایت کا کیا امکان۔"

"پھر بھی مجھے چھوڑے جا رہی ہو۔"

لیکن بہن ——————

لیکن ویکن کچھ نہیں —————— بہن کہتی ہو تو بہنا پا نباہو، مجھے تنہا چھوڑ کے کیوں جاتی ہو تمھارے دم سے رونق ہے، چہل پہل ہے، آبادی ہے، تم اپنے ساتھ ان سب چیزوں کو کیوں لے جانا چاہتی ہو۔"

یہ الفاظ عارفہ نے کچھ ایسے تاثر کے عالم میں کہے کہ

ریحانہ خاموش ہوگئی ۔ محمود بھی کافی متاثر نظر آرہا تھا۔
تھوڑی سی دیر کے بعد عارفہ نے پوچھا۔

"بتاؤ کیا فیصلہ کیا تم نے "

ریحانہ بولی

" کیا کہوں تم مانتی کب ہو کسی کی ـــــــ اچھا بھئی نہیں جائیں گے ـــــــــــــ یہیں رہیں گے۔
یہیں رہیں گے "

محمود نے ایک قہقہہ لگایا

بس ڈال دی سپر ـــــــــــ بہ خدا تم عورتوں کی ذات بھی بڑی کمزور ہوتی ہے "

ریحانہ نے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

" کیا ارادہ ہے ، عارفہ کو ناراض کردوں اگر اس پر تیار ہو تو بسم اللہ اٹھایئے بستر چلیئے "

" میں کیوں جاؤں "

" تو کیا میں اکیلی جاؤں "

گھر ڈھونڈا ہے تو چلی جاؤ "

" اور تم "

" میں رہوں گا بھابی کے پاس ـــــــ کیوں بھابی نکال تو نہ دو گی مجھے "

" کیسی باتیں کرتے ہو بھیا تم بھی "

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ مظفر آگیا، ریحانہ کو دیکھ کر مسکرایا اور

پوچھنے لگا۔"

"کیا باتیں ہو رہی تھیں"؟

"عارفہ نے مداخلت کی، مسکراتے ہوئے بولی

" یہ آپ کی ریحانہ گھر چھوڑے جا رہی ہیں، کہتی ہیں ہم نے ای

دوسرا فلیٹ لے لیا ہے اس میں جا کر رہیں گے۔"

مظفر کا یہ سنتے ہی چہرہ سفید ہو گیا۔ لیکن اس نے اپنے تی

سنبھالا اور مسکراتے ہوئے پوچھا:۔

" پھر تم نے کیا کہا، رخصت کر دیا؟"

اس نے شریر نظروں سے ریحانہ کی طرف دیکھکر کہا۔

"ان ہی سے پوچھ لو۔"

ریحانہ مسکرانے لگی۔ محمود نے کہا:

" بھابی نے تو ستیہ گرہ شروع کر دی، جانے کی اجازت

نہیں دیتیں۔"

" مظفر خوش گیا اس نے ریحانہ سے کہا۔

کیوں بھئی تم نے ہمارا کہا نہ مانا، کہا اب عارفہ کا فرمان بھ

ٹال دو گی؟"

ریحانہ ایک ادا کے ساتھ بولی

یہ ہو سکتا ہے۔ بھلا ———— میں نے کہہ یا تم نہیں مانتے

تو نہ سہی، نہیں جاؤں گی۔"

کھانے کے بعد ریحانہ نے مظفر سے کہا:

"آج پاسے سینما میں رومیو جولیٹ کی نمائش ہو رہی ہے،

"ہاں ہو رہی ہے کیا ارادہ ہے چلوگی؟"
"چلئے"
مظفر نے عارفہ سے پوچھا؟
"چلتی ہو"
وہ بولی :-
"نہیں میں نہیں جا سکوں گی مجھے لیکچر کے لئے اسٹڈی کرنی ہے"
محمود اتنی دیر میں بن سنور کر آ گیا، صاف معلوم ہوتا تھا اُسے تیار پاکر نہ ریحانہ خوش ہوئی، نہ مظفر ریحانہ نے پوچھا،
"آپ بھی چل رہے ہیں ؟"
وہ مسکرایا
جی ہاں ـــــ لیکن آپ کے ساتھ نہیں۔
اطمینان بھرے لہجے میں مظفر نے دریافت کیا۔
پھر کہاں، چلو نہ پاتھے"
نا بھئی ہمیں، اداکاری تو کرنی ہے نہیں، مایوس ہو چکا اس کام سے، پھر کیوں انگریزی فلمیں دیکھکر اپنا وقت ضائع کروں ایسی چیز کیوں نہ دیکھوں، جس سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سرور حاصل ہو"
"مظفر نے جواب دیا،
ٹھیک ہے ـــــ لیکن وہ ایسی کون چیز ہے ہمیں بھی تو بتاؤ"
جی وہ ہے شیریں فرہاد، اور کل دیکھوں گا لیلیٰ مجنوں"
ریحانہ اور مظفر ہنس دیئے، مظفر نے کہا
"لاحول ولاقوۃ بڑے بدذوق ہو"

ریحانہ بولی:

"سبحان اللہ کیا کہنے ہیں اس خوش فہمی کے، جائیے ہمارا آپ کا ساتھ نہیں۔"

"شکریہ۔"

محمود باہر چلا گیا اور اس کے بعد مظفر اور ریحانہ بھی چلے گئے میں بدستور اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ مجھے دیکھکر عارفہ نے کہا۔

"ارے آپ نہیں گئے۔"

"نہیں کوئی اچھی فلم نہیں ہے۔"

"نہ سہی وقت تو کٹ جاتا۔"

"میں نے کہا"

"عارفہ بہن کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

وہ میرے قریب آکر بیٹھ گئی۔"

مجھ سے ——؟ "کہئے۔"

میں نے کہا

ذاتی معاملات میں مداخلت اچھی نہیں معلوم ہوتی، لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں، آپ نے ریحانہ کو یہاں ٹھہرنے پر کیوں مجبور کیا؟"

وہ ہنس دی، کہنے لگی۔

"آپ کو اعتراض ہے کچھ؟"

"اگر آپ بُرا نہ مانیں تو ہے۔"

"شاید آپ مظفر اور ریحانہ کی بے تکلفی کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں۔"

"بات تو یہی ہے۔"

وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی:۔

دیکھئے انجان صاحب آپ ہم دونوں کو بہت کچھ جانتے ہیں پھر بھی نہیں جانتے ــــــ آپ کو صرف یہ معلوم ہے کہ میری اور مظفر کی شادی رومان کا نتیجہ ہے، یہ نہیں معلوم کہ مظفر کے لیے میں نے باپ کو ناراض کر دیا، ماں کی شفقت اور بھائیوں کی محبّت سے زندگی بھر کے لئے محروم ہو گئی آبائی گھر قیامت تک کے لیے مجھ سے چھٹ گیا اتنے جتن کرنے کے بعد میں نے مظفر کو پایا ہے۔ اب میں دیکھتی ہوں، مظفر کی روش بدلتی جا رہی ہے۔ ریحانہ بھی بدلتی جا رہی ہے دونوں کی بے تکلفی واقعی حد سے بڑھ چکی ہے۔ لیکن آپ نہیں جانتے، آپ کو ایک شریف اور بے ضرر آدمی سمجھ کر بتاتی ہوں کہ میں اس سے بھی زیادہ جانتی ہوں میں ان دونوں کو بہت پاس سے دیکھ چکی ہوں انھیں میں نے رات کی تاریکی میں ملتے دیکھا ہے اور گناہ کرتے ہوئے بھی، لیکن یہ دیکھکر بھی میں لڑی نہیں بگڑی نہیں، انجان بنی رہی، جیسے میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ جیسے مجھے کچھ نہیں معلوم جیسے میں بالکل بے خبر ہوں، میں نے ایسا کیوں کیا، ان چیزوں پر اگر میں بگڑوں لڑوں تو بات بڑھ جائے گی۔ مظفر کی بھی بدنامی ہوگی، جسے میں نہیں چاہتی، اور میری محبت بھی رسوا ہوگی، جسے میں کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتی، میں چاہتی ہوں اِن دونوں کو جو کھیل کھیلنا ہے میرے گھر میں کھیلیں، میرے سامنے کھیلیں، اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ حد سے بڑھنے کے بعد بھی یہ حد میں رہیں گے، لیکن اگر میں

انھیں کسی دوسرے مقام پر ملنے دوں ریحانہ کو اپنے پاس سے
کر دوں تو یہ کھل کھیلیں گے اور یہ بہت برا ہوگا میں پھر کسی کو
نہیں دکھا سکوں گی، میرے جاننے والے، میرے عزیز، میرے
میرا مذاق اُڑائیں گے، ہمدردی کے پردے میں میرا دل جلائیں
دوست بن کر میری باتیں سُنیں گے، میرا حال دیکھیں گے، پھر آپ
اس کا چرچا کریں گے۔ کیا میں ایسی چیزوں کو گوارا کروں گی، بتلایئے آ
کیا رائے ہے؟"

عارفہ کی باتیں سُن کر میں تھرا اٹھا، اللہ اللہ کس غضب کی عو
ہے۔ اس عورت کا دل ہے یا پہاڑ کس آسانی، کس غضب کی عورت
اس عورت کا دل ہے یا پہاڑ، کس آسانی، کس صبر، کس خاموشی سے
مصیبت برداشت کر رہی ہے جسے دنیا کی کوئی عورت بھی اس تحمل
سکون سے نہیں جھیل سکتی، میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

میری خاموشی کو دیکھکر عارفہ نے پھر پوچھا۔

آپ تو خاموش ہو گئے

اب کیا کہہ سکتا ہوں سوا اس کے کہ واقعی آپ اپنے طرز کی
نئی اور انوکھی خاتون ہیں میں نے ایسی بلند پایہ عورت نہیں دیکھی اب
میرے دل میں آپ کی عظمت پیدا ہوتی جا رہی ہے"

وہ پھر ہنسی

"آپ نے تو پورا قصیدہ پڑھ ڈالا۔ اتنا زیادہ تو نہ بنایئے ہاں یہ
ہے کہ جگ ہنسائی سے ڈرتی ہوں اور اس کے مقابلہ میں جو کچھ ہو رہا
اُسے پسند کرتی ہوں، مجھ جیسی ہر عورت کو یہی کرنا چاہئے باعزت طریقہ صرف

ہی ہے۔"

میں نے کہا:

لیکن آپ نے یہ بھی سوچا اس کا انجام کیا ہوگا یہ آزادی رنگ کیا کھائے گی؟

"میں جہاں تک سمجھ سکی ہوں اس گھر میں رہ کر یہ لوگ کسی نہ کسی حد پابند رسوم رہیں گے انھیں ان کے راستہ پر چلنے دیا جائے تو ضد نہیں کریں گے ایک نہ ایک دن خود ہی اپنی غلطی محسوس کر کے یہ راستہ ترک کر دیں گے اور اگر پابندیاں لگائی گئیں تو معاملہ قابو سے باہر ہو جائے گا پھر بد می بھی ہوگی اور نتائج بھی بہت تلخ ہوں گے۔"

"میں آپ کی رائے سے اتفاق تو نہیں کرتا لیکن کوئی حرج نہیں پ بھی تجربہ کر کے دیکھ لیجئے ممکن ہے آپ ہی کی رائے صحیح ہو اور یہ معاملہ گوار صورت اختیار کرنے سے پہلے خوش گوار طور پر ختم ہو جائے۔"

وہ ایک ٹھنڈا سانس بھر کر بولی۔

"کوشش تو یہی کر رہی ہوں نتیجہ خدا کے ہاتھ میں ہے ——— عا آپ بھی کیجئے گا۔"

وہ مسکراتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں نہ جانے کیا کیا وچتا ہوا اپنے گھر آ گیا۔

جامِ سفال

کچھ دنوں سے ہمارے مکان سے متصل بلڈنگ میں ایک اور صاحب تشریف لائے تھے، یہ بھی فلمی دنیا سے تعلق رکھتے تھے ان کا نام تھا رحمت بھائی، رنگ سیاہ بدن دبیز آنکھیں مختصر سی قد صرف ایک گز، اعلیٰ درجہ کی ململ کا کُرتا پہنتے تھے، اچکن یا کوٹ سے بے نیاز تھے، بائیں ہاتھ میں ایک خوبصورت سی گھڑی، سونے کی چین ۵۵۵ سگریٹ کا ڈبہ معہ ماچس کے ہر وقت ہاتھ میں، شراب بہت پیتے تھے آنکھیں ہر وقت لال رہتی تھیں ان کے ساتھ ایک خوبصورت اور کشیدہ قامت خاتون کا مستقل قیام تھا اس کا نام تھا مس انجم، خاصی مشہور ہیروئن تھی، صورت شکل بھی اچھی تھی گاتی بھی خوب تھی اور ناچنے کے فن سے بھی واقف تھی اور پہلی فلم میں ایسے غضب کا کام کیا کہ سارے ملک میں مشہور ہوگئی، بچوں کی زبان پر اس کے گیت، جوانوں کی جیب میں اُس کی تصویر، تماشائیوں کے دل میں اُس کی مورت، دو ایک دفعہ مجھے اُسے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا، کچھ گھٹی گھٹی سی نظر آتی تھی، لیکن قسمت کی دھنی تھی، ایک ایک پکچر کے لیے بڑی بڑی رقموں کا کنٹریکٹ کرتی تھی، سال بھر میں لاکھ سوا لاکھ روپیہ کما لیتی تھی۔

رحمت صاحب مجھ سے بڑی خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے اکثر چائے پر بلا لیا کرتے تھے، ایک روز انھوں نے مدعو کیا، میں شام کو ۵ بجے ان

در دولت پر پہنچ گیا وہ نہیں تھے، انجم تھی اور گھر کی خادمہ نوراں یہ ایک بوڑھی عورت تھی۔ آج خلاف معمول انجم کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں معلوم ہوتا تھا بہت روئی ہے چہرہ پر شگفتگی کا نام بھی نہیں تھا بالکل خاموش خاموش، میں نے پوچھا:

"رحمت صاحب کہاں ہیں"؟

بے رخی سے کہنے لگی:

"کہیں گئے ہوں گے مجھے نہیں معلوم"

"کچھ خبر ہے کب تک آئیں گے؟"

"آتے ہوں گے یہی وقت ہے اُن کے آنے کا تشریف رکھیے"

وہ پھر اپنے کام میں لگ گئی، میں ڈرائنگ روم میں ایک صوفہ پر بیٹھ گیا، نوراں آئی اور کمرہ صاف کرنے لگی، اپنا کام کرتے کرتے میرے قریب آئی اِدھر اُدھر دیکھا، پھر رازدارانہ الفاظ میں کہنے لگی:

بہت رو رہی ہیں

میں نے آہستگی سے پوچھا

"کون انجم؟"

ہاں ——— بہت ماری گئیں رحمت میاں نے اتنا مارا اتنا مارا کہ سارے بدن پر نشان پڑ گئے۔

مجھے بڑی حیرت ہوئی، میں نے پوچھا:

کیوں کیا بات ہوئی تھی۔

کچھ نہیں ——— ذرا سی بات اس کا سارا روپیہ اپنے نام پر بنک میں جمع کرتے ہیں اُس نے تھوڑا سا مانگا تھا۔ اپنے شوہر کے لئے خفا ہو گئے

مارنے لگے، کہتے تھے ایک جھنجی کوڑی بھی نہیں دوں گا تجھے"

"شوہر کا نام سن کر میں اور متحیر ہوا میں نے پوچھا

انجم کی شادی ہو گئی۔

کہنے لگی

وہ تو کلکتہ ہی میں ہو گئی تھی

اور رخصتی

وہ ہنسنے لگی

رخصتی ——— ہی ہی ہی

یہ کیا میں سمجھا نہیں :-

کہنے لگی

رخصتی! میاں تم جانتے نہیں، انجم رحمت میاں کی لڑکی بھی ہے اور بیوی بھی، ان کی بیوی نے اسے گود لیا تھا وہ مر گئیں تو رحمت میاں اسے لے کر کلکتہ گئے، وہاں کوٹھے پر بٹھا دیا، جس دن رات بھر کوئی گاہک نہ آتا خود ہی اس کے پاس سوتے، جس دن آجاتا کہیں اور منہ کالا کرتے۔ پھر کلکتہ کی ایک فلم کمپنی میں دوڑ دھوپ کر کے نوکر رکھا دیا، وہاں علی بھائی سے انجم کی آنکھیں لڑ گئیں، وہ وہاں گانے لکھا کرتے تھے۔ فلم کمپنی میں داخلہ کے بعد اب انجم پیشہ تو کر نہیں سکتی تھی لہٰذا دکھاوے کو اس کی شادی علی بھائی سے کر دی گئی، لیکن حکم یہ تھا، ایک دوسرے سے میاں، بیوی مل نہ سکیں شادی کے بعد ایک رات جب یہ اس کے کمرے میں پہنچے، اس نے انکار کر دیا۔ بولی میری شادی ہو چکی ہے اب میں تمہارے پاس نہیں رہ سکتی، اس دن بھی بہت مارا علی بھائی کو خبر ہوئی تو وہ بھی دو تین غنڈوں کو لے کر آگئے، بات

بہت آگے بڑھی لیکن بعض دوستوں نے بیچ بچاؤ کرادیا اور یہ طے ہوا کہ اب رحمت میاں سچ مچ انجم کو اپنی لڑکی سمجھیں گے۔ علی بھائی اس کے شوہر ہوں گے۔ لیکن انجم کی آمدنی سے ایک پیسہ بھی نہیں لیں گے ساری کمائی رحمت میاں کی جیب میں جائے گی۔ اس سمجھوتے پر کئی برس عمل ہوتا رہا، پھر یہ لوگ بمبئی آگئے یہاں خدا کا کرنا کیا ہوا کہ علی بھائی خوب چمکے کئی فلموں میں کام کرنے لگے۔ بہت کوشش کے بعد کبھی کبھی یہاں آکر رہنے کی اجازت دے دی گئی، کچھ دن اس طرح کام چلتا رہا اب وہ چاہتے ہیں انجم اُن کے پاس رہے، وہ بھی یہی چاہتی ہے، اندر اندر جھگڑا بھی چل رہا ہے۔ رحمت میاں خفا تو تھے ہی، آج کہیں بیچاری روپیہ مانگ بیٹھی، سچ پوچھو تو یہ روپیہ واجب بھی تھا۔ کئی مہینے ہوئے رحمت میاں نے پانچ ہزار روپیہ علی بھائی سے قرض لیا تھا۔ بھلا رحمت میاں روپیہ لیں اور دے دیں، توبہ کرو۔ اب انھیں ہوئی ضرورت انھوں نے انجم سے کہا، انجم نے قرض کا نام لینا مناسب نہ سمجھا، اپنے روپوں میں سے مانگ لیا، بھرے ہوئے تو تھے ہی، ڈنڈا لے کر پل پڑے اور بیچاری کو لہو لہان کر دیا اب وہ بھی اڑ گئی ہے کہ اس گھر میں نہیں رہنی، سارا اپنا روپیہ چھوڑتی ہوں، لیکن اپنے گھر میں اپنے شوہر کے پاس رہوں گی، ایسے باپ کے پاس نہیں رہتی، اور مارا، اور مارا اب غصہ میں باہر گئے ہیں دیکھو آکر کیا کرتے ہیں۔

یہ کارنامے سُنکر مجھے افسوس بھی ہوا اور تعجب بھی، لیکن خاموش رہا میں نے نوراں سے کچھ نہیں کہا، کہنا مناسب بھی نہیں تھا، تھوڑی دیر بعد رحمت میاں تشریف لائے معلوم ہوتا تھا اب تک غصہ نہیں اُترا چہرہ لال بھبو کا بنا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی مصنوعی اخلاق سے تبسم فرمایا اور کہا

اوہ معاف کیجیے گا دیر ہو گئی۔

میں اٹھکر کھڑا ہو گیا
کوئی مضائقہ نہیں آیئے تشریف لایئے۔
وہ میرے پاس آکر بیٹھ گئے۔ کچھ گم سم سے، اتنے میں نوراں آئی کرٹک
کر پوچھا:
"انجم کہاں ہے؟"
"وہ رکھائی سے بولی۔"
"اپنے کمرے میں، ہیں"
اور گرجے
"چا، تیار ہے"
وہ اسی طرح بولی
"ہاں تیار ہے لاتی ہوں"
وہ چلی گئی اور رحمت میاں خاموش ہو گئے میں نے تقفل خاموشی تو
آج آپ کچھ خفا خفا نظر آتے ہیں
نہیں تو
کوئی بات ضرور ہے
ذرا کے ذرا مسکرائے
کیا کہوں یار اس چھوکری انجم نے پریشان کر رکھا ہے، معلوم ہو
ہے اس کی موت آئی ہے میرے ہاتھ سے
ارے یہ کیوں؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟
جو کچھ کہہ رہا ہوں ایک دن دیکھ لوگے، میں رحمت خاں ہوں رحمت
نہ جانے کتنی عورتوں اور مردوں کو جہنم میں پہنچا چکا ہوں۔

رحمت میاں کی آنکھیں اور سُرخ ہو گئیں ، میں ڈر گیا ، میں نے کہا
ایسا کیوں، آخر کیا بات ہے کہ آپ اتنے برہم ہیں۔

میرے سوال کے جواب میں انھوں نے وہ ساری کتھا سُنا ڈالی جو ابھی ابھی نوراں سُنا چکی تھی، ذرا بھی نہ شرمائے یہ تک قبول لیا کہ انجم کی ماں سے بھی تعلقات رہ چکے ہیں اور شادی سے پہلے اسے بھی اچھی طرح بھنبھوڑ چکے ہیں، ان کے نزدیک یہ بہت معمولی بات تھی کہنے لگے۔

"بھئی انجم سے عورت کی حیثیت سے کوئی دلچسپی نہیں سینکڑوں عورتیں اچھے اچھے خاندانوں کی میرے پیچھے پیچھے پھرتی ہیں کہ انھیں کوئی "چانس" دلادوں، لیکن سوچتا یہ ہوں کہ اگر یہ حرامزادی اپنے خصم کے ہاں چلی جائیگی تو میں کیا کروں گا، میرا تو ذریعہ آمدنی ہی رخصت ہو جائے گا؟"

میں نے کہا

عورت کی کمائی پر آپ تکیہ کیوں کرتے ہیں۔

ایک قہقہہ لگا کر بولے

عورت کی کمائی ، اماں کیا کہہ رہے ہو انجان صاحب اس کی ماں کیا تھی میں جانتا ہوں، میں اسے نہ پالتا تو آج یہ کسی کھیت میں کام کررہی ہوتی شہر کی صورت بھی نہ دیکھتی ، میں نے اُسے پڑھایا ، لکھایا ، گانا سکھایا ، ناچ کی تعلیم دلائی، اداکار بنایا یہ سب میرے ہی بل بوتے پر تو ہے ، شروع میں اس پر میں نے خرچ کیا ، اب یہ مجھ پر خرچ کرتی ہے حساب کتاب برابر۔

میں نے کہا

یہ ٹھیک ہے لیکن وہ سمجھوتہ کر رہی ہے تو کر کیوں نہیں لیتے۔

سمجھوتہ کیسا؟

"آپ ہی نے تو بتایا ہے کہ وہ اپنا بنگ بیلنس آپ کو ہبہ کرکے جا
چاہتی ہے جانے دیجئے کافی روپیہ ہوگا، مزے کیجئے۔
"کافی کہاں ہے صرف سوا دو لاکھ ہے۔"
میں نے ہنستے ہوئے کہا
کسی مجھ جیسے بے زر سے پوچھئے یہ رقم کتنی ہے اور کتنی کافی ہے۔
کہنے لگے
یہ نہیں ہوسکتا
ضرور ہوگا ورنہ یہ روپیہ بھی آپ کے ہاتھ سے جائے گا۔
گھبرا گئے
یہ کیسے، روپیہ کون لے سکتا ہے مجھ سے
عدالت
اس سے پہلے جہنم میں نہ پہنچا دوں گا دونوں کو
لیکن ساتھ ساتھ آپ کو بھی جانا ہوگا۔
کچھ سوچنے لگا، میں نے کہا
عقل سے کام لیجئے اب انجم آپ کے پاس نہیں رہ سکتی، اس کی باقا
شادی ہوچکی ہے وہ کئی فلموں میں کام کرچکی ہے، کئی فلم کمپنیوں کے ڈائریکٹ
اور مالک اس کے ساتھ ہیں، معاملہ جتنا آگے بڑھائیے گا، نقصان آپ کو
ہوگا اور معاملہ فہمی سے کام لے کر جس قدر مفاہمت پر آمادہ ہوں گے اتنا
ہی فائدہ ہوگا۔سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ روپیہ آپ کے پاس رہتا ہے۔
جھنجلا کر بولے
خالی روپیہ لے کر کیا کروں گا

میں نے کہا

خدا نے آپ کو بڑی صلاحیتیں دی ہیں، آپ مایوس کیوں ہوتے ہیں۔

کہنے لگے:

"کیا مطلب، مایوس ہونے کی بات نہیں ہے"

"بالکل نہیں"

"یہ کیسے؟"

"جس نے ایک غریب، ایک لاوارث لڑکی کو مس انجم بنا دیا وہ ایسی ایسی ہزار انجم پیدا کر سکتا ہے، نہ یتیم خانوں کی کمی ہے نہ لاوارث لڑکیوں کی"

کچھ دیر تک سوچتے رہے، مسکرا دیئے، پھر ہنسے، کہنے لگے:

تو کیا رائے ہے چلتا کر دوں، سور کی بچی کو

"قطعی"

نوراں کو آواز دی، وہ فوراً حاضر ہو گئی۔

جا انجم کو بلا لا۔

انجم جیسے یہیں کہیں لگی ہوئی تھی، فوراً نمودار ہو گئی، اس کی آنکھیں اب تک سرخ تھیں۔ شاید اب تک روتی رہی تھی، رحمت میاں نے ایک نظر اس پر ڈالی اور اپنے لہجہ میں درشتی اور نرمی کو برابر برابر شامل کر کے کہا:

"بیٹھ جاؤ"

"وہ بیٹھ گئی، کہنے لگے ایک ٹھنڈی سانس لے کر

"علی بھائی کے ساتھ رہو گی"

وہ خاموش رہی، فرمایا

"اپنے فیصلہ پر قائم ہو"

اس نے آہستہ سے کہا......جی

میں نے نظر اٹھائی، تو رحمت میاں کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے، بھرائی ہوئی آواز میں کہا

مجھے چھوڑ دو گی بیٹی، تمھارے لئے میں نے کیا کیا پاپڑ بیلے، کیسے کیسے دکھ سہے، کن کن سے مقابلہ کیا، ان سب باتوں کا صلہ یہ ہے، یہی ہونا چاہیئے تھا

انجم خاموش رہی، رومال سے آنسو پوچھتے ہوئے رحمت میاں نے کہا

"لیکن میں تمھیں دوش نہیں دیتا، اس دنیا کی ریت یہی ہے، کون کسی کا ہمیشہ ساتھ دیتا ہے، تو میری بیٹی ہے، تجھے رخصت ہونا ہے، مجھے رخصت کرنا ہے، فرق صرف دیر سویر کا ہے میں چاہتا تھا کچھ روپیہ اور جمع ہو جائے تو بہت سا جہیز دے کر تجھے رخصت کر دوں"

انجم نے بات کاٹی

مجھے روپیہ نہیں چاہیئے، جہیز کی بھی ضرورت نہیں ہے صرف آپ کی دعائیں چاہئیں"

کھڑے ہو گئے انجم کا سر اپنی گود سے لگا لیا اور دہاڑیں مار کر رونے لگے، کہنے لگے:

نہیں بیٹی یہ نہیں ہو سکتا۔ میں تجھے روک نہیں سکتا، لیکن جو کچھ میرے پاس ہے وہ تیرا ہے۔ یہ زیور جو تو پہنے ہوئے ہے میں قرض لایا تھا۔ یہ واپس کر دے، بیٹی سب اصلی ہیں بھی نہیں، بہت سے نقلی ہیں۔ باقی جو روپیہ تیرا میرے پاس ہے وہ میں تجھے ابھی دے دوں گا"

انجم زیور اتارنے لگی، پھر اس نے کمرے سے لاکر صندوقچہ رکھ دیا یہ بھی زیورات سے بھرا ہوا تھا سب اصلی زیور تھے ان میں کوئی بھی نقلی نہ

تھا۔ ان کی مالیت کسی طرح ۷۰۔۸۰ ہزار سے کم نہ ہوگی۔ انجم بھی اِس حقیقت کو سمجھ رہی تھی۔ لیکن اُسے اپنی جان عزیز تھی، زیور عزیز نہیں تھے زیور دے کر اگر وہ چھوٹ جائے تو سودا مہنگا نہیں تھا۔ سستا تھا بہت سستا

زیورات پر قبضہ کرنے کے بعد ساریوں کی باری آئی ایک سے ایک اعلیٰ اور قیمتی ساری موجود تھی۔ چند تو بہت ہی نظر فریب اور زرنگار تھیں ان میں سے بھی بڑا حصّہ رحمت میاں نے قبضہ میں کر لیا یہ کہہ کر کہ یہ مال قرض آیا تھا۔ اور کچھ واپس کر دیا کہ بیٹی یہ تیرا ہے، تیرے کام آئے گا، ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے تھے نقد روپیہ میرے پاس جتنا ہے سب تجھے دیدوں گا وہ تیری امانت ہے۔

انجم رحمت میاں کی باتوں کا مطلب سمجھ رہی تھی۔ لیکن وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ ہر قیمت پر اس گھر کو چھوڑ جائے گی اس کے تن کے کپڑے اتار لئے جائیں تب بھی وہ اس سودے پر رضامند تھی۔

آخر میں رحمت میاں نے تجوری کھولی اور گن کر تین ہزار دو سو پچیس روپے انجم کے سامنے رکھ دیئے۔

"بیٹی یہ بچا ہے ——— مجھے ایک رسید لکھدے کہ تیرا میرے پاس کچھ نہیں رہا۔ تجھے تو جانتا ہوں، بڑی معصوم اور بھولی ہے۔ لیکن معاف کرنا بیٹی علی بھائی سے میرا دل صاف نہیں ہے کبھی وہ کچھ شرارت کرے۔"

انجم نے ایک رسید لکھ دی کہ میرا رحمت بابا پر کچھ نہیں آتا جو کچھ تھا میں نے نقد وصول کر لیا جو روپیہ انھوں نے دیئے تھے وہ بھی واپس کرتے ہوئے انجم کہنے لگی

مجھے نہیں چاہئیں، میں آپ کو کوئی تحفہ نہ دے سکی، یہ میری طرف

سے آپ رکھ لیجئے۔

ذرا گھبرائے۔

خفا ہو گئیں بیٹی۔

اس نے اطمینان دلایا

خدا کی قسم نہیں ——— آپ سے کیا خفا ہوں گی میں نے تحریر بخوشی

دل سے لکھ کر دی ہے اور یہ روپے بھی خوشی سے واپس کر رہی ہوں۔

رحمت میاں کی آنکھیں پھر آب گوں ہو گئیں، انھوں نے کہا

بیٹی اب تم جا سکتی ہو

تھوڑی دیر میں سامان بندھ گیا، فوراً ٹیکسی لے آئے، اور انجم نوراں

کو لے کر علی بھائی کی کوٹھی پر چلی گئی۔

انجم کے جانے کے بعد رحمت میاں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا

"خس کم جہاں پاک"

کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا

یہ رائے وکیل نے دی تھی، وہیں سے تو آ رہا ہوں۔

میں نے کہا

کاہے کی رائے دی تھی وکیل نے؟" روپے کی؟

زور سے ہنسے کہنے لگے:

نہیں یار، تحریر لینے کی، تحریر نہ لیتا تو ضرور الّو کی پٹھی اپنے دھکڑ کی

گود میں جا کر فساد مچاتی، اب اگر کچھ بدمعاشی کی تو یہ تحریر ماروں گا منہ پر۔"

میں نے کہا

واقعی بڑی دانشمندی سے کام لیا۔

مخمور لہجے میں بولے

"ہاتھی سے گنے کھانا آسان نہیں ہے ——— کل ہی امرتسر جاتا ہوں۔"

وہاں جاکر کیا کیجئے گا

کہنے لگے۔

ایک لونڈیا کی تصویر میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے، غریب بھی ہے، نا سمجھ بھی، کمسن بھی، لاوارث بھی۔ لیکن اس دفعہ لڑکی بنا کر نہیں بیوی بنا کر لاؤں گا، انجم کی بچی سمجھتی کیا ہے اپنے آپ کو، ایسی ایسی ہزاروں چھوکریاں ایک دن میں میں لا سکتا ہوں۔ یہ گئی دوسری آئی۔ وہ تم نے غالبؔ کا شعر سنا ہے ؎

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
جامِ جم سے یہ مرا جامِ سفال اچھا ہے

دیکھنا انجم کے مقابلہ میں اختر کیسی رہتی ہے چند روز میں اختر ہی اختر ہوگی۔ انجم کے منہ پر کوئی تھوکے گا بھی نہیں ——— حرام زادی نمک حرام۔ بد معاش۔

شاید وہ اور گالیاں دیتے لیکن میں رخصت لے کر چلا آیا۔

گھر کی رونق

چمن بائی سے بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی ایک روز ان کا قاصد پہنچا، فوراً بلایا ہے میں اس وقت کچھ ڈائیلاگ مکمل کر رہا تھا شام کو آنے کا وعدہ کر کے میں پھر مصروف ہو گیا۔ شام جلدی ہونے والی تھی میں نے جلدی جلدی اپنا کام نمٹایا اور چمن بائی کے چمن کدہ کی طرف روانہ ہو گیا میری اس تیز قدمی میں کشش چمن بائی کی نہیں تھی۔ اس فتنہ نوخیز چاندنی کی تھی۔

دروازے میں پہنچا تو گرجنے اور برسنے کی آوازیں آئیں، معلوم ہوا چمن بائی اس وقت غصہ میں ہیں اور ماں بہن سے بھی زیادہ فصیح و بلیغ گالیاں کسی کو دے رہی ہیں۔ ڈرتا ڈرتا اندر پہنچا ایک کونہ میں دبکے ہوئے میر صاحب بیٹھے تھے دوسری طرف سر جھکائے خاں صاحب بیٹھے تھے۔ معلوم ہوتا تھا دونوں عنقریب دھاڑیں مار مار کے رو دیا ہی چاہتے ہیں۔ لیکن چمن بائی پر ان نیاز مندیوں کا کوئی اثر نہیں تھا وہ بڑے اطمینان سے گالیاں دے رہی تھیں اور وہ بھی ایسی فحش کہ بس ایسا معلوم ہوتا تھا چرکیں کی نظم کا نثر کا لباس پہنایا جا رہا ہے۔ میں جا کر ایک گوشہ میں خاموش اور باادب بیٹھ گیا، مجھے دیکھ کر انھوں نے رخ بدلا خاں صاحب کی طرف دیکھ کر کہا اس موئے کو دیکھو گھر کا کام کرتے ہوئے دم نکلتا ہے دوسری کمینیو

ہیں رات ـ ات بھر بڑ بڑاتا پھرے گا، لیکن اپنا کام ہو تو جان نکلنے لگتی ہے ہیں بھی وہ فاقوں کی ماردوں کہ یاد ہی تو کرے گا، لو اور سنو کام ہو گیا ہے نواب صاحب کو، ہونھ

پھر وہ میر صاحب کی طرف مخاطب ہو کر مجھ سے گویا ہوتیں۔

اس بھڑوے کو دیکھو، بڑا میر صاحب بنا پھرتا ہے میری جوتیوں کے طفیل، ہماری بلّی ہمیں سے میاؤں، زندگی بھر ٹکڑے توڑتا رہا میرے، اور مجھی سے آنکھیں نکالتا ہے، ہمیں فرصت نہیں ہے تو نہیں تیری غرض پڑی ہے، چل یہاں سے کوئی اور گھر دیکھ نمک حرام "

اتنے میں چاندنی آگئی، آج چمن بائی چاندنی پر بہت مہربان تھیں اُسے دیکھتے ہی اپنے پہلو کی جگہ خالی کر دی!

خدا نے ایک ہی تو چاند دیا ہے مجھے، لیکن ان موئے ٹکڑ گدوں اور نمک حراموں کو وہ بھی نہیں بھاتا۔ ہر وقت دانتا کلکل رہتی ہے۔ موئے جس برتن میں کھائیں اسی میں چھید کریں، چاندنی ہی کے دم سے تو تم سب بھی ہو۔

چاندنی چپ چاپ ماں کی گود میں بیٹھی مسکرا رہی تھی، خاں صاحب اور میر صاحب بدستور چپ تھے میں نے اس خیال سے کہ بات زیادہ نہ بڑھے کہا

ہو گا جانے بھی دیجئے

بچھر کر کہنے لگیں

اے خان صاحب آپ نہیں جانتے میرا تو دل پک گیا ہے اس آتے دن کے جھگڑے سے جی چاہتا ہے اپنی بچی کو لے کر کہیں بھاگ جاؤں یہ مجھے جینے دیں گے نہ میرے لال کو!"

چمن بائی آب دیدہ ہو گئیں، میر صاحب آنکھوں میں آنسو لا کر بولے
اور کیا ہم ایسے ہی تو دشمن ہیں سب کے۔
فوراً بولیں
اے چپ موا خدائی خوار کہیں کا۔
خاں صاحب نے عافیت اسی میں سمجھی کہ چپ چاپ اٹھ جائیں چنانچہ
وہ اٹھے لیکن چمن بائی ایسی کہاں تھیں کہ انھیں ملوہ نکل جانے دیتیں۔
کہنے لگیں۔
میں پوچھتی ہوں کہاں جا رہی ہے سواری
بگڑے ہوئے لہجہ میں چپکے سے بولے
کہیں نہیں
جا دور موئے بڈھے کھوسٹ، نخرے ایسے دکھائے گا جیسے پوری
برس کی چھوکری۔
یہ کہتے کہتے مسکرا دیں خاں صاحب کے شوہرانہ لبوں پر بھی تبسم کھیلنے لگا۔
لڑائی ختم ہوئی صلح کا جھنڈا بلند ہو گیا؟
خاں صاحب کے جانے کے بعد بڑے چاؤ سے میری طرف مخاطب ہوئیں۔
اے خاں صاحب ایک خوش خبری سُنائیں۔
ضرور سنائیے۔
ہم نے خود ایک فلم کمپنی قائم کی ہے، کیوں کسی کی نوکری کریں ہمارے
ہی بل بوتے پر تو یہ کمپنی والے کھاتے ہیں، ہمیں دیتے ہیں سوکھا ٹکڑا خود
کھاتے ہیں سونے کا لقمہ ——— اور سچ پوچھئے تو مجھے بہت زیادہ
روپیہ کی بھی ضرورت نہیں، ہیروئن میری لڑکی بنے گی، ڈائریکٹر ہیں خود

بنوں گی ۔ سینکڑوں ایکٹر ہر وقت یہاں مجھیا یا کرتے ہیں جسے چاہوں گی پکڑ لوں گی سر کے بل آئے گا ۔ چاندنی کے ساتھ کام کرنے کے لئے تو لوگ جان دیتے ہیں ۔

باتیں کرتے کرتے وہ مسکراتی جاتی تھیں میں بھی ان کا ساتھ دے رہا تھا ۔ میں نے کہا :

بڑی اچھی تجویز سوچی آپ نے ، آم کے آم گٹھلیوں کے دام ۔ اس سے بڑھکر اور کیا ہوگا ، ضرور کھول لیجئے "فوراً" ۔

کہنے لگیں

"تو بس ایک اسٹوری دیجئے چٹپٹی سی ۔"

"ضرور"

نام ہوگا اس کا چاندنی

یہ بھی منظور

کمپنی کا نام بھی یہی رکھ رہی ہوں ۔

چاندنی پروڈکشن ؟

جی ہاں یہی

اب سارا کام تیار ہے صرف اسٹوری کی کسر ہے بتائیے کب دے رہے ہیں آپ ؟

دو تین مہینے تو لگیں گے ۔

اخوہ اتنے دن ، اتنے دنوں میں تو میں فلم مکمل کر لوں گی زیادہ سے زیادہ دو ہفتہ میں دے دیجئے ۔

میں نے اپنی مجبوریاں بتائیں کہ ایسٹرن فلمس سے کنٹریکٹ کر چکا ہوں

وہاں بھی بڑے زور شور سے کام ہو رہا ہے۔ ذرا بھی فرصت نہیں، بڑی مشکلوں سے میرا عذر قبول فرمایا۔ کہنے لگیں۔

اچھا کوئی اور آدمی بتائیے، بڑا اچھا اسٹوری رائٹر۔

میں نے کہا

دہلی میں میرے ایک دوست ہیں، مجنوں صاحب، کہئے تو انھیں لکھ دوں بڑے کام کے آدمی ہیں بڑے اچھے ناول نگار ہیں ذاتی طور پر بھی بڑے شریف اور نیک ہیں۔ اس لائن میں پہلے پہل آئیں گے۔ اس لئے دام بھی جتنے چاہئے گا دے دیجئے گا۔"

بہت خوش ہوئیں کہنے لگیں، دہلی تو میں خود اپنی کمپنی کے لئے کوٹہ لینے جا رہی ہوں وہیں مجنوں صاحب سے مل لوں گی۔ آپ صرف ایک خط لکھ دیجئے انھیں کہ نئی دہلی کے امپیریل ہوٹل میں آج سے پانچویں روز مل لیں آکر، دیکھئے خط ہوائی ڈاک سے بھیجئے گا۔

وعدہ کر کے رخصت ہونے لگا تو میرا دامن پکڑ کر بٹھا لیا، کہنے لگیں سنئے تو ______ ایک مشکل اور بھی تو حل کیجئے کسی طرح

اب کون سی مشکل باقی ہے۔

گانے، گانے کس سے لکھواؤں وہ موا سرخاب تو مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا کوئی اور بتائیے۔

میں نے کہا

"نہ سہی سرخاب صاحب۔ مانی صاحب ہیں۔ زخمی صاحب ہیں بہت سے ہیں۔ سب ہی تو آپ کے ہاں مشاعرہ میں آیا کرتے ہیں کسی کو بھی لے لیجئے

"اور ہیرو

اس معاملہ میں تو آپ ہی کی رائے افضل ہے۔
چاندنی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔
"تو جا"
وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی، پھر ایک پان مجھے دیا ایک خود کھایا۔
بات یہ ہے کہ ہیرو ایسا چاہئے جو زیادہ خوبصورت نہ ہو، بہت زیادہ نوجوان نہ ہو، چاندنی ابھی بچہ ہے اگر پھسل گئی تو میں کہیں کی نہ رہوں گی۔ انجم اور رحمت کا قصہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا۔
میں نے انھیں اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔
آپ بھی کیسی بات کرتی ہیں انجم اور چاندنی کا کیا مقابلہ آپ بھی کہاں کی بات کہاں ملا لیتی ہیں۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ ہیرو کوئی ایسا ہی آدمی ہونا چاہئے جیسا آپ چاہتی ہیں۔
"تو بتایئے نا کوئی نام"۔
منصور کیسا رہے گا۔؟
اُچھل پڑیں۔
بہت اچھا، ہوا بدنام بھی ہے، عورتوں میں صورت کا بھی کچھ زیادہ اچھا نہیں اور گا بھی اچھا لیتا ہے، بس بات بن گئی، اسی کو پکڑتی ہوں، میرا کہنا بھی مانتا ہے، پیسے بھی زیادہ نہیں لے گا۔
معاملہ طے ہو گیا اور انھوں نے مجھے ہنسی خوشی رخصت کر دیا، چمن بائی نے اپنے گھر کی رونق اس طرح قائم کر رکھی تھی۔

بے وفا

رعنا بدستور ہماری کمپنی میں کام کر رہی تھی میرے اس کے تعلقات کچھ عرصہ تک تو روز افزوں ترقی پر رہے دن عید اور رات شب برات جب دیکھئے جب بلا رہی ہے، دعوت کر رہی ہے، رات رات بھر اپنا مہمان رکھ رہی ہے، حاضر و غائب میری تعریف میں قصیدے پڑھ رہی ہے لیکن ادھر کچھ روز سے وہ بدلی بدلی سی نظر آ رہی تھی جب تک وہ میری طرف بڑھتی رہی میں نے وقتی دلچسپی کے سوا اسے کوئی اہمیت نہ دی جب سے وہ کچھ کچھ کھنچنے لگی تھی، مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس سے محبت کرتا ہوں، اس کے بغیر چین سے زندگی نہیں بسر کر سکوں گا اپنی اس کیفیت کو عشق سے تو تعبیر نہیں کر سکتا۔ لیکن محبت کے سوا کسی اور لفظ سے بھی اُسے یاد نہیں کر سکتا، ہر وقت ایک تصویر کا آنکھوں میں پھرنا۔ ہر وقت ایک خیال کا دل و دماغ پر مسلط رہنا قدرے التفات کو حاصل کائنات سمجھنا ذرا سی بے مہری پر دنیا سے نفرت کرنے لگنا، اسی کو محبت کہتے ہیں میں اس لفظ کو مجبوراً استعمال کر رہا ہوں، ہمیشہ اپنے آپ کو اتنا اونچا اور رعنا کو باہمہ لطف اندوزی ہمیشہ اتنا نیچا سمجھتا رہا کہ پہلی بار جب محبت کا احساس پیدا ہوا تو میں خود ہی شرمندہ سا ہو گیا، لیکن جب یہ کیفیت برابر حملے کرتی رہی تو مجھے ماننا پڑا کہ یہ محبت ہے، اگرچہ اس احساس کے باوجود میں یہ

اعتراف کرنے۔ کے لئے تیار نہیں ہوں کہ میں رعنا سے محبت کرتا ہوں، لاحول ولا قوۃ جو سنے گا کیا کہے گا۔ اب تک تو لوگ زیادہ سے زیادہ یہی جانتے ہیں کہ میرے اس سے ناجائز تعلقات ہیں اور یہ کوئی شرم یا افسوس کی بات نہیں۔ لیکن اگر لوگوں نے یہ محسوس کر لیا کہ میں اس معمولی سی ایکٹرس سے محبت کرتا ہوں، تو کیا کہیں گے کیا سمجھیں گے، آخر اس کمبخت رعنا میں ہے کیا، کوئی خاص بات نہیں، میں نے اکثر دل کو ملامت کی، کمبخت اگر محبت کرنا تھی تو چاندنی سے کی ہوتی، بھلے سے ناکامی ہوتی، لیکن دنیا میں چرچا تو ہوتا کہ حضرت چاندنی جیسی قیامت سے محبت کرتے ہیں۔ رعنا کا تو یہ حال ہے کہ حقیر سمجھی جاتی ہے، کوئی بیچاری کو منہ بھی نہیں لگاتا اور میں چلا ہوں عشق کرنے محبت کرنے یہ راز اگر افشا ہوا تو ساری کمپنی میں ذلیل ہو جاؤں گا۔ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔

ایک روز بن بلائے میں رعنا کے ہاں پہنچا، وہ بن سنور کر باہر نکل رہی تھی۔ مجھے دیکھکر رُک گئی۔ میں نے کہا

تم اپنا پروگرام نہ خراب کرو، جاؤ پھر کسی دن آجاؤں گا۔

گل رُخ آکر مجھ سے لپٹ گئی، کہنے لگی

ہم تو نہیں جانے دیں گے آپ کو۔

کلثوم بھی آگئی بولی:

یہ نہیں ہو سکتا، آئے ہو تو بیٹھنا پڑے گا۔

رعنا نے بھی زور دیا۔ لیکن میں صاف محسوس کر رہا تھا کہ بے دلی سے کہہ رہی ہے، کہنے لگی۔

آپ کہاں جائیں گے اب بیٹھئے یہ خواہ مخواہ کا تکلف کیوں سوجھ

رہا ہے آج۔

رعنا نے باہر جانے کی تیاریاں ملتوی کردیں، مجھے اس کا کہنا ماننا پڑا، ٹھہر گیا۔

ہم دونوں اپنے الگ کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ کلثوم بیگم گھر کے کام کاج میں لگ گئیں، گل رخ کھیل کود میں مصروف ہو گئی۔ کمرے میں بس میں تھا اور رعنا، میں نے کہا۔

میری وجہ سے بڑی تکلیف ہوئی تمھیں۔

وہ منہ بنا کر بولی:

بڑی تکلیف، اب آپ ایسی باتیں کیوں کرنے لگے ہیں۔

میں نے کہا

بات یہ ہے رعنا کہ زمانہ کے ساتھ تم بھی بدلتی ہوئی نظر آ رہی ہو۔ نہ وہ پہلی سی نظر ہے نہ وہ پہلا سا برتاؤ، ایسا معلوم ہوتا ہے تم کچھ اور ہو گئی ہو یا میں کچھ بدل گیا ہوں۔

وہ پہلو بدل کر بولی:

نہ میں بدلی ہوں نہ آپ، محض وہم اور خیال ہے آپ کا۔

میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی۔

یہ آج آپ کیسی اکھڑی باتیں کر رہے ہیں لڑائی تو نہیں ہو گئی کسی سے

"ہوئی تو نہیں شاید ہو جائے"

مجھ سے ——— منہ دھو رکھئے۔ میں نہیں لڑتی کسی سے۔ وہ اپنے محسن سے۔

میں جل ہی تو گیا

"تم مجھے محسن کیوں کہتی ہو؛ میں تمھاری نگاہ میں اس کے سوا کچھ نہیں؟"

"کیوں نہیں، دوست، ساتھی، مہربان سب کچھ، بہت کچھ"

میں کچھ اور جل گیا۔

تمھیں قسم ہے وہ بات نہ کہنا جو میں سننا چاہتا ہوں۔

کیا سننا چاہتے ہیں آپ بتایئے وہی کہہ دوں ؟

میرے بتانے سے کہو گی، خود تمھارے دل میں کچھ خیال نہیں آتا خود کچھ نہیں سوچتیں، میرے دل کی دھڑکن تمھارے کانوں تک نہیں پہنچتی ؟

وہ مسکرائی۔

اوہ، یہ مطلب تھا آپ کا، تو پہلے کیوں نہ کہہ دیا، آج ہی تو میں نے ڈائلاگ یاد کئے ہیں وہ سارے کے سارے سنا دیتی۔ ریہرسل بھی ہو جاتی آپ خوش بھی ہو جاتے۔

اب مجھے رعنا کی باتوں سے غصہ آنے لگا تھا۔

یہ جواب ہے میری باتوں کا۔

وہ روٹھ کر بولی

یہ لو آخر آپ چاہتے کیا ہیں ؟

میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

مجھے چھوڑو تم بتاؤ کسے چاہتی ہو آج کل ؟

ہنس کر وہ اچھل ہی تو پڑی۔

کیا ہو گیا ہے آج آپ کو ؟

جنون

باتیں تو بہکی بہکی کر رہے ہیں۔

کہہ تو رہا ہوں جنون ہو گیا ہے مجھے، تم سلامت رہو تو ایک د
گریبان بھی پھاڑنا پڑے۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔گم سم بالکل خاموش بیٹھی رہی۔دی
کچھ دیر انتظار کر کے کہا:۔

خاموش کیوں ہو بولتی کیوں نہیں؟

کیا بولوں؟

مجھ سے پوچھ کر بولو گی کچھ سوالات کروں؟

کیجئے۔

میں نے سُنا ہے کسی ——— کسی کیا قاسم ایکٹر پر مر رہی ہو۔

اُسے نہیں جانتیں، میں جانتا ہوں، آوارہ، لچا۔ بدمعاش۔

کچھ دیر وہ خاموش رہی، جیسے کوئی طوفان اُٹھ رہا ہو اور وہ اُسے
کر رہی ہو، کہنے لگی۔

"آوارگی اور بدمعاشی کو تو رہنے دیجئے، اس دنیا میں جس میں ہ
آپ کام کرتے ہیں نیکی اور پارسائی ہے کہاں باقی رہی یہ بات کہ میں قا
پر مرتی ہوں یہ آپ نے کس سے سُنا، کیسے جانا؟"

"اس سے تمھیں کیا بحث، یہ بتاؤ غلط ہے یا صحیح؟"

"فرض کیجئے صحیح ہے، پھر؟"

یہ گویا ایک قسم کا اعتراف ہی تھا، میں نے کہا
"پھر کیا کچھ نہیں ایک شبہ ہے۔ پھر وہ یقین سے بدل جائے گا۔
تو کیا ہو گا؟"

"کچھ نہیں ہمیں اپنی اوقات معلوم ہو جائے گی۔"

وہ ذرا بگڑے ہوئے لہجہ میں بولی۔

"آپ اپنا ذکر بار بار بیچ میں کیوں لاتے ہیں"؟

"کیوں نہ لاؤں واقعہ جو ہے۔"

وہ غور سے میری طرف دیکھنے لگی۔ میں آنکھیں نہ ملا سکا۔ میں نے کہا

"کیا دیکھ رہی ہو؟"

وہ مسکرا دی۔

"آپ کو۔"

ہمارے کمرے کا دروازہ بھڑا ہوا تھا، کسی نے دروازہ کھولا اور دَرّاتا چلا آیا۔ یہ قاسم تھا۔

رعنا قاسم کو دیکھکر گھبرا گئی۔ میرے ماتھے پر نفرت کی شکن پڑ گئی اور ہر کیفیت سے آزاد کھڑا مسکرا رہا تھا، کمبخت ایک معمولی ایکٹر تھا تنخواہ بھی وہ نہیں تھی یہی تین ساڑھے تین سو اب تک کسی فلم میں چمکا بھی نہیں تھا کیا دو ہی ایک فلموں میں تو کام کا موقعہ ملا تھا۔ لیکن شخصیت بڑی تھی بڑا شان دار نوجوان تھا، کسرتی بدن، بلند و بالا قد، روشن آنکھیں، صورت چہرہ اُسے دیکھکر میں خود اپنی نظروں میں حقیر نظر آ رہا تھا۔۔ یہ کہاں میں، کون آنکھ کا اندھا ایسا ہو گا کہ اُسے چھوڑ کر مجھے چاہنے اب میں رعنا کو قریب معاف کر چکا تھا؛ وہ بدستور کھڑا مسکرا رہا، رعنا نے کہا

کھڑے کیوں ہیں آیئے بیٹھیے۔

رعنا کے ان چند الفاظ میں کتنا رس تھا۔ کتنی مٹھاس تھی کتنا پریم

تھا۔ اسے میرا رواں رواں محسوس کررہا تھا۔ لیکن میں کیا کرسکتا تھا
صبر کرنے اور گھٹنے کے، قاسم تبسم کی بجلیاں گراتا ہوا بیٹھ گیا۔

آہا انجان صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں۔

سگریٹ کیس نکال کر پیش کیا، میرا جواب لئے بغیر وہ رعنا سے مخاط
تم آئی نہیں، کتنی دیر سے انتظار کررہا ہوں۔

رعنا کی نظر مجھ پر پڑی، وہ جھینپ سی گئی، پہلو بدل کر وہ کچھ
والی تھی کہ قاسم نے کہا۔

ابھی وقت ہے ٹیکسی لے کر آیا ہوں چلو تو چلو ورنہ پھر بلیک ما
سے بھی ٹکٹ نہیں ملے گا۔

میں سمجھ گیا سینما کا پروگرام تھا، خوب گھٹ رہی ہے دونوں
پینگ بڑھ رہے ہیں لیکن کچھ کہنے کا موقع نہ تھا۔ رعنا بولی

آج نہیں پھر کسی دن

وہ اٹھ کھڑا ہوا

تو مجھے اجازت ہے۔؟

اتنے میں کھیلتی ہوئی گل رخ آگئی۔ قاسم نے اس سے پوچھا:

سینما چلو گی

اس نے تائید میں گردن ہلادی، قاسم نے ہاتھ پکڑا اور کہا

تمہاری آپا بہت جھوٹی ہیں، چلو تمھیں تماشہ دکھا لائیں،

گل رخ نے بہن کی طرف دیکھا گویا وہ پوچھ رہی تھی جاؤں یا نہ جاؤں

رعنا نے کہا

اسے کیا کیجئے گا لے جاکر، اوقات خراب کرے گی۔

تمھیں کیا ہم توے جائیں گے، چلو گلُ رخ۔

اور وہ گلُ رُخ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے ہی تو گیا، بظاہر بڑی بے بسی سے، لیکن سچ مچ بڑی خوشی سے وہ چلی گئی، بچہ ہی تو تھی ابھی۔

اب میدان صاف تھا۔ رعنا کے نہ جانے سے مجھے خوشی بھی ہوئی اور رنج بھی ہوا۔ خوشی اس بات کی کہ وہ سامنے بیٹھی تھی۔ اور رنج اس کا کہ قاسم کے بارے میں مجھے جو کچھ معلوم ہوا تھا اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ میں نے تو صرف یہ سُنا تھا کہ دونوں میں خلا ملا تھا اور آنکھوں سے یہ دیکھا کہ خلا ملا نہیں یارانہ تھا، وہ یہاں آتا ہے، بیٹھتا ہے، کبھی کبھی رات کو بھی رہ جاتا ہو گا اپنے ساتھ سیر تماشہ کے لئے لے جاتا ہے اس کے بعد باقی کیا رہ جاتا ہے سارے مرحلے تو طے ہو گئے۔

میں گم سم بیٹھا تھا کہ رعنا نے کہا

آپ نے تو شاید چپ شاہ کا روزہ رکھا ہے

میں نے کہا

نہیں یہ بات نہیں ہے؟

پھر کیا بات ہے؟

اتنا کچھ دیکھنے کے بعد اب کچھ کہنے سننے کا موقعہ کہاں، ضرورت کیا ہے۔

رعنا خفا ہو گئی، اس نے چڑھی ہوئی تیوری سے کہا

آپ کا مطلب کیا ہے میں نہیں سمجھی۔

مطلب بالکل صاف ہے، ہم قصۂ ماضی بن گئے اب جناب قاسم کا دور دورہ ہے۔

اس نے اپنا ئیت کے لہجہ میں کہا۔

قاسم کا ذکر چھوڑیئے آپ کا جہاں تک تعلق ہے کون آپ کو قصۂ ماضی بنا سکتا ہے۔ آپ کا گھر ہے، آیئے، بیٹھئے، رہئیے میری طرف سے آپ کی خاطر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہوگا۔

میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا

کیا کہتی ہو رعنا، میں نے سوچا کیا تھا ہوا کیا۔ میں خاطر کا بھوکا کہاں ہوں، چمن بائی میری بہت خاطر کرتی، میں اور میں جہاں جاتا ہوں کوئی بھی جوتا مار کر نہیں نکال دیتا۔ سب خاطر ہی کرتے ہیں تم کو تو میں نے کچھ اور سمجھا تھا تمھارے ہاں تو میں دوسری حیثیت سے آتا تھا۔ لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

اُس نے مسکراتے ہوئے کہا

ٹھیریئے میں چائے بنا لاؤں پھر اطمینان سے باتیں ہوں گی آج رات آپ کھانا بھی یہیں کھائیں گے اور رہیں گے بھی یہیں۔

یہ خاطر داریاں اور دل داریاں دیکھ کر میں پھر رکھچ چلا۔ لیکن تکلّف کرتے ہوئے کہا۔

نہیں بھائی چائے تو خیر پی لوں گا۔ لیکن کھانا اور رہنا نہیں ہوگا، مجھے کچھ دوسرے کام ہیں۔

وہ جاتے جاتے بولی

وہ کام ملتوی ہو جائیں گے۔

اور وہ چلی گئی۔ میں نہ جانے کیا کیا سوچنے لگا۔ کبھی قاسم کا مسکراتا ہوا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے ناچنے لگتا۔ کبھی رعنا کی باتیں کانوں میں گونجنے لگتیں جس میں گھلاوٹ کافی تھی لیکن بناوٹ بھی جھلک رہی تھی۔ تھوڑی

دیر میں وہ چائے اور اس کے ساتھ نہ جانے کیا الم غلم لے کر آ گئی۔ چائے کی پیالی میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی

پیجئے بڑی گرم ہے گرما جائیں گے آپ۔

یہ کہکر وہ مسکرانے لگی، میں نے پیالی منہ سے لگائی اور ایک گھونٹ پی کر کہا:

تو ہاں یہ معاملہ ہے

کیسا معاملہ، یہی قاسم کا؟

جناب، وہی!

وہ بڑی سادگی اور معصومیت سے بولی

تو کیا ہوا؟

یہ الفاظ سُن کر میں سن سے ہو گیا ذرا اس عورت کو دیکھو اتنی بڑی بات ہو گئی اور یہ اسے کچھ سمجھتی ہی نہیں، کہتی ہے "تو کیا ہوا" میں نے کہا:

کچھ نہیں ہوتا کیا، ہر شخص کو آزادی ہے جس سے چاہے ملے، جس سے چاہے ربط وضبط قائم کرے، پہلے میری باری تھی اب قاسم کی باری ہے۔

رعنا نے کہا

چہ چہ آپ بھی کیسی جلی کٹی باتیں کرتے ہیں، کہاں آپ، کہاں قاسم آپ کی جگہ قاسم نہیں لے سکتا، آپ قاسم کی جگہ نہیں لے سکتے۔؟

میری جگہ قاسم نہیں لے سکتا، یہاں تک تو غنیمت تھا، لیکن میں قاسم کی جگہ نہیں لے سکتا اس کا کیا مطلب، میں نے ذرا رکتے ہوئے پوچھا۔

گویا قاسم اب ایک حقیقت ہے۔

وہ ہنس دی

"پھر وہی، آپ کو کیا شکایت ہے، یہ بتایئے، قاسم کیا ہے اسے چھوڑیئے، میں نے تو بڑے بڑے قلعے بنائے تھے امیدوں اور آرزوؤں کے لیکن قاسم نے ایک لات مار کر انھیں زمین کے برابر کر دیا۔

اے ہے تو قاسم کو اپنا رقیب سمجھ رہے ہیں؟

تو کیا سمجھوں؟

وہ سنبھل کر بیٹھ گئی، کہنے لگی

میں آپ سے کوئی بات چھپاؤں گی نہیں، صاف صاف بات یہ ہے کہ سب سے پہلے تو یہ ذہن نشین کیجئے میں ایک آبرو باختہ عورت ہوں، اگرچہ پیشہ ور نہیں، جس دن اکسٹرا گرل بننے کے لئے گھر سے باہر نکلی تھی اسی دن سے میں استعمال کی جارہی ہوں، آپ جیسے شریف لوگوں سے اور قاسم جیسے پسندیدہ نوجوانوں سے تو اب واسطہ پڑا ہے، ورنہ شرابی، کبابی، لچے لفنگے، بدصورت بدکردار آوارہ، یہی لوگ تھے جن کی گود میں کھیلی، جن کے زانوؤں پر پروان چڑھی، جن کے سینے پر سر رکھکر سوئی، جن کے گلے میں بانہیں ڈال کر راتیں گزاریں، پھر آپ کی عنایت سے ایک فلم کمپنی میں نوکری ملی، پہلا کام میں نے یہ کیا کہ ان لوگوں سے پیچھا چھڑایا اور آسودگی کی زندگی بسر کرنے لگی۔ حالات ایسے ہیں کہ شادی نہیں کر سکتی اور اس دنیا میں رہ کر باعصمت بھی نہیں رہ سکتی، تو جہاں خاطر اور لحاظ سے بے آبروئی گوارا کرتی ہوں وہاں پسند اور رغبت سے کبھی یہ کام کروں تو کیا ہرج ہے۔ آپ سے میرا تعلق جو کچھ ہے خاطر اور لحاظ کا قاسم سے جو معاملہ ہے وہ پسند اور چاہ کا بُرا نہ مانئے گا آپ نے تو دیکھا ہے اسے سچ کہئے گا اچھا لگتا ہے یا نہیں۔ یہ باتیں اس نے ایسی صفائی اور سادگی سے کہیں کہ مجھے نفرت کی

بجائے دلچسپی پیدا ہوگئی۔ اس بیچاری پر ترس آنے لگا۔ میں پہلی مرتبہ اس صحبت میں مسکرایا۔ میں نے دل میں سوچا اس سے معاملہ اگر رہے گا تو خاطر اور لحاظ ہی کا رہے گا۔ محبت کچھ زبردستی کا سودا تو ہے نہیں، میں اس سے لاکھ محبت دل سے نکل جائے، اور اگر نہ نکلے تو اپنی سی کرتا رہوں، اسے اس کے حال پر چھوڑ دوں خاطر اور لحاظ سے سہی۔ بہرحال یہ میری پذیرائی تو کرتی ہے۔ کرتی رہے گی، "ایں ہم غنیمت است" یہ سب سوچ کر میں نے کہا۔

واقعی بڑا خوبصورت جوان ہے، تم اگر اس کی طرف مائل ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لیکن اتنا یاد رہے، نگاہ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں۔

وہ مسکراتی ہوئی بولی

آپ آپ ہیں اور آپ ہی رہیں گے

شکریہ، یہی بہت ہے، لیکن ایک بات سن لو

کہئے ضرور سنوں گی

ذرا سنبھل کر رہنا۔ قاسم کے بارے میں سنا ہے کہ اچھا آدمی نہیں ہے وہ کئی عورتوں کو دھوکا دے چکا ہے اور خراب کر چکا ہے یہ نہیں کہتا کہ اس سے رشتہ قطع کرلو۔ لیکن اگر تم نے اپنے تئیں بالکل اس کے حوالے کر دیا تو نقصان میں رہو گی۔

اس نے بے پروائی کے ساتھ کہا

"اونھ"

میں نے سمجھ لیا یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے مجھے اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے۔ میں جانے کے لئے اٹھا اس نے کہا:

کہاں چلے؟

بس اب جاتا ہوں

آج آپ کو یہیں رہنا پڑے گا

قاسم جو آتا ہو گا

آنے دیجئے

وہ خفا نہیں ہو گا

نہیں میں اُسے سب کچھ بتا چکی ہوں

بتا چکی ہو سب کچھ ؟

ہاں، ایک ایک بات

بڑی صاف گو ہو۔

یہی تو ایک اچھائی ہے مجھ میں

وہ مسکرانے لگی، میرا جی تو چاہ رہا تھا کہ رہ جاؤں لیکن پھر خیال آیا قاسم بڑی امیدوں سے آئے گا اور یہ بھی بڑے چاؤ سے اس کا انتظار کر رہی ہے۔ آج ان لوگوں کے لطف میں مخل ہونا ٹھیک نہیں، میں نے کہا

رعنا مجھے تمھاری باتیں بہت پسند آئیں، تم اطمینان رکھو میں نے ذرا بھی بُرا نہیں مانا، مجھے اس کی خوشی ہے کہ تم نے میری جگہ برقرار رکھی لیکن بس واقعی ضروری کام ہے آج جانے دو پھر آؤں گا آتا رہوں گا۔

دل میں تو بہت خوش ہوئی، لیکن کہنے لگی۔

رہ جاتے تو کیا ہو جاتا

پھر سہی یار زندہ صحبت باقی، زندہ ہیں تو پھر آئیں گے، آتے رہیں گے۔ تمھارا پیچھا چھوڑ جائیں یہ نہیں ہو سکتا۔

وہ ایک انداز کے ساتھ بولی :

جائیے آپ بھی بڑے وہ ہیں۔

میں ہنستا ہوا چلا آیا۔ زینہ پر قاسم اور گل رُخ سے مڈبھیڑ ہوئی۔ وہ طرح طرح کے کھلونوں سے لدی تھی اور قاسم کے کوٹ کی جیب میں کوئی چیز اُبھری اُبھری سی تھی۔ صاف نظر آرہا تھا اَدھا ہے۔

نیا جال

رحمت میاں نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا کچھ عرصہ کے بعد وہ لاہور سے ایک جیتی جاگتی مورت لے آئے حسن وصورت کا جہاں تک تعلق ہے انجم کو بالی سے کوئی نسبت نہیں تھی لیکن شباب اور تازگی کے اعتبار سے یہ انجم سے بہت آگے تھی۔ انجم بیچاری ایک عرصہ سے تختۂ مشق بنی ہوئی تھی اس کا روپ اتر چلا تھا اس کی تازگی مرجھا چلی تھی۔ لیکن بالی کا روپ ابھی نکھر رہا تھا، اس کی تازگی انگڑائیاں لے رہی تھی۔ انجم تھک چلی تھی اور بالی تازہ دم تھی اس کے نقوش مٹ رہے تھے، اس کے ابھر رہے تھے۔ غرض دونوں میں بہت بڑا فرق تھا، سب سے بڑھکر یہ کمی بھی تھی کہ وہ مشاق اور تجربہ کار تھی یہ نو آموز اور خام تھی لیکن یہ کمی رحمت میاں کی سرپرستی میں کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

رحمت میاں نے جو کہا تھا وہی کیا، دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے بالی کو وہ لڑکی بنا کر نہیں، بیوی بنا کر لائے، حالانکہ عمر کے اعتبار سے وہ ان کی لڑکی ہی کے برابر تھی، جس روز بمبئی پہنچے اسی دن ٹیکسی سے اسٹوڈیو کی سیر کو نکل پڑے، ہر ہر ڈائرکٹر سے خود ملے، بالی کو ملایا اور صاف الفاظ میں اعلان کر دیا کہ یہ انجم سے زیادہ قابل اداکار ثابت ہوگی، بہت سوں نے وعدہ کیا کہ آئندہ پکچر میں چانس دیں گے۔ فوری طور پر کنٹریکٹ کسی نے نہیں کیا۔ حالانکہ وہ یہی امید لے کر گئے تھے۔ گھومتے گھماتے وہ معہ بالی کے ہماری کمپنی میں آئے

سیدھے میرے پاس پہنچے اور تکلف برطرف کر کے کہنے لگے۔

یہ بالی ہے دیکھ لو کیسی ہے اس پر میں نے انجم سے زیادہ ریاض کیا ہے گانا بہت اچھا گا لیتی ہے۔ ناچتی بھی خوب ہے صورت کیسی ہے، اس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جو دیکھے گا مان جائے گا، اچھی ہے لیکن یہ سالے فلم والے آسانی سے تو پٹھے پر ہاتھ دھرنے نہیں دیتے، وعدے سب نے کئے ہیں، کنٹریکٹ کسی نے نہیں کیا، اور یار تم نے کیا چھپا ہیں، یہاں حال پتلا ہو رہا ہے، جو کچھ تھا وہ انجم کو دے دیا، اپنی تھوڑی سی پونجی تھی وہ اس قاتل (بالی کی طرف اشارہ کر کے) پر خرچ ہو گئی، ارے بھئی میرا منہ کیا دیکھتے ہو تین ہزار تو اس کے باپ کو دینا پڑا، پھر اس نے شادی کی، مہمانوں اور دعوتوں پر کافی رقم خرچ ہو گئی، سب سے بڑی مصیبت یہ آئی کہ اس کے پاس اس لائن میں چلنے والے کپڑے نہیں تھے، وہ لے کے دیئے (حالانکہ اس وقت بھی وہ انجم کی ساری پہنے ہوئے تھی اور گھر میں بھی اس کا چھوڑا ہوا مال اُسے ملا ہو گا) بہرحال۔ بہت زیر بار ہو گیا ہوں کوئی بڑا اور مستقل کام تو بعد میں کسی کمپنی میں ملتا رہے گا، اس وقت کوئی عارضی کام اپنے ہاں دلواؤ تاکہ روزمرّہ کا خرچ چلے۔ جوانی قسم اب تو روز کا خرچ بھی آسانی سے نہیں چلتا۔

میں نے کہا

چلئے آپ کو مظفر اور ریحانہ سے ملائے دیتا ہوں یہ دونوں نئے چہرے کے متلاشی بھی رہتے ہیں، ممکن ہے کام بن جائے۔

فوراً بالی کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

چلو بھئی چلو، میں بھی یہی چاہتا تھا۔

میں انھیں لے کر مظفر کے کمرے میں داخل ہوا، اور داخل ہوتے ہی پیچھے

ہٹ آیا اس وقت ریحانہ بھی وہیں تھی اور دونوں کے لب ایک دوسرے سے پیوست تھے سچے موتیوں کا ایک ہار مظفر کے ہاتھ میں تھا اور وہ ہاتھ ریحانہ کے گلے میں حمائل تھا، مظفر اور ریحانہ اتنے بے خود تھے کہ انھوں نے مجھے نہیں دیکھا پیچھے جو میں لوٹا تو رحمت میاں نے پوچھا:

کیا بات ہے، ہیں نہیں ؟

میں نے کہا

سٹ پر گئے ہیں تھوڑی دیر میں آئیں گے چلئے میرے پاس بیٹھئے۔

میں ان دونوں کو لے کر پھر اپنے کیبن میں آیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر گیا اس مرتبہ احتیاط کی کہ گھنٹی بجا دی۔ دونوں موجود تھے ریحانہ بھی اور مظفر بھی دونوں ہنس ہنس کر گھل مل کر باتیں کر رہے تھے۔ مجھے دیکھو، ریحانہ نے تپاک سے کہا۔

آیئے انجان صاحب۔

مظفر نے رحمت میاں کو بالی پر ایک نگاہ غلط انداز ڈال کر پکڑا۔

بہت دنوں کے بعد نظر آئے رحمت میاں کہاں تھے ؟

میرے کچھ کہے بغیر موقع مل گیا۔

اجی کیا بتاؤں کہاں تھا، انجم کو بیٹی کی طرح پالا، دھوکا دے کر اپنے دیگرٹ کے ساتھ چلی گئی ساری جمع جتا لے کر، آخر مجھے بھی تو کچھ کرنا تھا، اب اسے باکی کو لایا ہوں شادی کر کے دیکھتا ہوں اسے کون چھینے گا مجھ سے سچ کہنا مظفر میاں کیسی ہے

"بہت اچھی انجم سے کہیں اچھی"

گانا بھی بہت اچھا جانتی ہے

خوب

"ناچ بھی اس نے سیکھ رکھا ہے"

"وہ بھی کام آئے گا"
مائک بار آواز بھی بڑی اچھی آتی ہے۔
یہ اور اچھا ہے
کیمرے میں اس کے پوز تو قیامت ڈھاتے ہیں
سبحان اللہ ——————
منظفر کچھ اور کہنے والا تھا کہ رحمت میاں نے اپنے ہینڈبیگ سے بالی کے کچھ پوز نکال کر دکھائے واقعی اچھے تھے۔ جیسی صورت تھی، اس سے کہیں زیادہ شاندار اور دیدہ زیب نظر آرہی تھی منظفر میاں نے مسکراتے ہوئے کہا
"ہمہ صفت موصوف بیوی لائے"
ریحانہ نے کہا
"دیکھیں"
منظفر نے بالی کے پوز دیئے وہ دیکھنے لگی، اس نے کہا
"واقعی اچھے ہیں"
رحمت میاں کی امیدوں کے خشک کھیت میں پانی پڑ گیا۔
تو پھر میں کہیں اور نہیں جاتا اس کا گانا ٹسٹ کر لیجئے یہ یہیں کام کرے گی
اسی اثنا میں میوزک ڈائرکٹر آگیا۔ ریحانہ نے کہا
ذرا مس بالی کا گانا تو دیکھئے۔
بالی اس کے ساتھ میوزک روم چلی گئی، تھوڑی دیر بعد نتیجہ معلوم ہوا ڈائرکٹر صاحب نے کہا
آواز بھی اچھی ہے گاتی بھی اچھا ہے
ریحانہ نے منظفر سے کہا:

تو معاملہ طے کر لیجئے ہمیں اپنی فلم کے لئے ایک مغنیہ کی ضرورت تھی
"مجھ سے کیا کہتی ہو طے کر لو ــــــــ آیئے انجان صاحب چلیں۔"
مظفر میں اور میوزک ڈائرکٹر باہر آ گئے بالی اور رحمت میاں وہیں رہ گئے
آ کر اپنے کیبن میں بیٹھ گیا مظفر اسٹڈیو کا راونڈ لگانے چلا گیا تھوڑی دیر بعد
میاں مسکراتے ہوئے بالی سمیت تشریف لائے، میں نے پوچھا:

"کہئے کیا ہوا۔"

"ہو گیا جو کچھ ہونا تھا"

"یعنی کنٹریکٹ"

"اور کیا"

"شرائط؟"

"شرائط کیا پہلی تصویر کے لئے ہوا ہے بارہ سو روپیہ مہینہ دیں گے
پسند آیا اور اچھا ہوا تو دوسری پکچر میں دوگنی تنخواہ ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے خدا کا نام لے کر کام شروع کر دیجئے۔"

"اجی ٹھیک تو خیر کیا ہے۔ لیکن کام شروع کئے دیتا ہوں۔"

"کیوں اور کیا چاہئے آپ کو، بڑے ناشکرے ہیں آپ۔"

بگڑ کر بولے

"کچھ خبر بھی ہے انجم آتو کی چھٹی ایک ایک تصویر کا بیس بیس ہزار روپیہ
پر کنٹریکٹ کیا کرتی ہے۔"

ٹھیک ہے رحمت میاں، لیکن یہ تو سوچئے انجم کو انجم بننے میں
دن لگے کتنی تصویروں میں کام کرنا پڑا، کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے، بالی تو ابھی
جمعہ آٹھ دن کی بھی نہیں ہوئی۔"

ہنسنے لگے، ہنستے ہنستے ان کی نظر بالی پر پڑی وہ مجھے گھور رہی تھی شاید یہ دیکھنا چاہتی تھی یہ کون شخص ہے کمپنی سے اس کا کیا تعلق ہے، دفعتاً ایک بھرپور طمانچہ بالی کے نازک اور خوبصورت گالوں پر پڑا اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے اور وہ بے بسی کے ساتھ رحمت میاں کی طرف دیکھنے لگی گویا پوچھ رہی تھی میں نے کیا قصور کیا تھا جس کی یہ سزا مجھے ملی، جواب تیار رکھا۔

"آنکھ نیچی کر خبردار، جو نظر اوپر اٹھی، جانتی نہیں میں کون ہوں ؟"

بیچاری نے سہم کر آنکھیں نیچی کر لیں، پھر مجھ سے فرمایا

انجان صاحب بُرا نہ مانیے گا، گربہ کشتن روز اول، بالکل یہی عادت انجم کی تھی اور اس عادت کا نتیجہ کیا ہوا آپ جانتے ہیں وہ تو خیر برائی تھی جو کچھ ہونا تھا ہوا، لیکن یہ تو صرف میری ہے اس کی آنکھیں اگر بہکیں تو میں کیا کروں گا ؟

بالی کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوتے تھے وہ کچھ نہ بولی اس کے ہونٹ تھرتھرا رہے تھے یعنی رونے کے لئے پا بہ رکاب تھے لیکن وہ ضبط سے کام لے رہے تھے۔ میں نے کہا

"آپ کا خیال صحیح ہے، لیکن اتنی بد گمانی بھی کیا ذرا اعتماد بھی کرنا چاہیئے۔ اس طرح تو آپ اپنے گھر میں زندگی تلخ بنالیں گے ؟

"اجی توبہ کیجئے انجان صاحب میں کیا جانوں تلخی کسے کہتے ہیں، یہ پہلے طے کرلیا ہے یہ میرے اشارے پر چلے گی تین ہزار دیئے ہیں تین ہزار۔"

بالی کی بڑی بڑی آنکھیں اب بھی پُرنم تھیں، اس نے کہا

"تو میں نے کیا کیا تھا خواہ مخواہ کو ——————

بات کاٹ کر بولے

اس سے کیا ہوتا ہے بات تو بُری تھی نیت بُری نہ سہی۔"

پھر وہ شفقت اور پیار کے لہجہ میں بولے

"بالی تو نہیں جانتی میں تجھے کتنا چاہتا ہوں تو ابھی نادان اور معصوم ہے
اس دنیا کے لوگوں کو بھی نہیں جانتی جس میں تجھے رہنا ہے میرے کہنے پر چل، ی
کہنا مان، میری مار بھی محبت کی مار ہے۔"

یہ کہتے کہتے وہ ہنسنے اور بالی کی کمر میں گدگدانے لگے فرمایا — نہیں حکم دیا
تو بھی ہنس، ہنس!

وہ کسمسا کر مسکرا دی، کہنے لگے:

"بڑا ریاض کیا ہے اس پر۔"

"ضرور کیا ہوگا، اس ریاض کا پھل بھی ملے گا آپ ہی کو۔"

"ہاں، لیکن دیکھیں کب تک"؟

"آثار تو اچھے ہیں پہلی مرتبہ بارہ سو روپیہ لے مرنا کوئی معمولی بات ہے۔

"لیکن ایک بات مان لو انجان صاحب۔"

"فرمایئے۔"

"بالی اُردو بول تو لیتی ہے لیکن اس کا لہجہ ٹھیک نہیں ہے مہینہ دو مہینہ میں
زبان رواں ہو جائے گی لیکن شروع میں ذرا توجہ کی ضرورت ہے۔"

میں نے کہا:

"مجھے کوئی عذر نہیں لیکن بیچاری نے ایک نظر مجھ پر ڈال لی تو یہ گت بنی غر
کی، میں روز اسے اردو سکھاؤں گا، پاس بیٹھوں گا، باتیں کروں گا تو شاید روز ہی
اس کی مرمت کیا کریں گے آپ، اس سے فائدہ"؟

کرسی گھسیٹ کر قریب آ گئے۔

"آپ تو خفا ہو گئے۔"

"خفا تو نہیں ہوا لیکن ایک خیال آگیا جو عرض کر دیا میں نے۔"

"بالکل غلط ہے، تمھیں تو اپنا بھائی سمجھتا ہوں خدا کی قسم، لیکن تربیت بھی تو ضروری ہے آج اس نے نظر بھر کر تمھیں دیکھا کل کسی اور کو دیکھے گی وہ نظر سے نظر لڑانے لگے گا اسی طرح تو بات بڑھتی ہے اور معاملہ ہاتھ سے جاتا رہتا ہے تمھارے سامنے تو میں نے اس کو تنبیہ بھی کر دی کوئی اور ہوتا تو میں یہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

بڑی دیر تک رحمت میاں بیٹھے رہے بالی کی، اس کی بہنوں کی انجم کی، اس کے خاندان کی، لاہور کی، اپنے شجرۂ نسب کی، علی بھائی کی، اس کی سات پشتوں کی باتیں کرتے رہے جس کا ذکر کرتے تھے اس مزے سے کہ بس سنتے رہیے۔

میں نے کہا

مظفر کے بارے میں بھی کچھ جانتے ہیں آپ"؟

کہنے لگے

"کیوں نہیں، خوب، سب کچھ۔"

"کیا کیا ہم بھی سنیں۔"

ابھی کچھ نہیں، ان میاں صاحبزادے کے پرکھوں تک سے واقف ہوں، مہاراجہ رنجیت سنگھ کے سائیس کی نسل سے ہیں۔ باپ ہیرا منڈی کے دلال تھے ماں کانگڑہ کی ایک خوبصورت پہاڑن تھی یہ جو کچھ خوبصورتی دیکھتے ہو، یہ ماں کی ہے باپ کا اثر نہیں۔"

میں نے حیرت سے کہا؛

"واقعی"؟

بے پروائی سے فرمایا

توکیا ہم جھوٹ بولتے ہیں ـــــــ لیکن یار کہہ نہ دینا کسی سے ورنہ ہم
کے لئے دشمنی ہو جائے گی اور یہ سالا مظفر، قدم بھی نہیں رکھنے دے گا اپنے
"لاحول ولاقوۃ" آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں کسی سے کہنے کیوں لگا یہ
پرائیویٹ باتیں ہیں۔

اتنے میں گھومتے گھاتے مظفر آگئے، کہنے لگے

"کیا ہو رہا ہے رحمت میاں"؟

سروقد کھڑے ہو کر فرمایا

اجی کیا پوچھتے ہو مظفر میاں دعا دے رہا ہوں تمھیں۔

"اب لگے بنانے"

یہ لو انھیں بناؤں گا، کیوں میاں انجان صاحب سچ کہنا کیا کہہ رہا
میں ابھی ان کے بارے میں؟

میں گھبرا گیا، یہ انھیں کیا ہو گیا سچ سچ کہدوں تو وہ بے بھاؤ کے جو
پڑیں کہ یاد کریں گے عمر بھر اور خود ہی تو ابھی منع کیا تھا کہ نہ کہنا اور اب خود ہی سچ
رہے ہیں، میری خاموشی سے ذرا بھی متاثر ہوئے بغیر انھوں نے مظفر سے

"ان سے انجان میاں سے وہی آپ ہی کے خاندان کا ذکر ہو رہا تھا، میں
کہا تم مظفر میاں کو کیا جانو ہم جانتے ہیں، لاہور کا بچہ بچہ جانتا ہے رنجیت س
اپنا گرد مانتا تھا مظفر میاں کے جدِّ اعلیٰ کو انگریزی سرکار نے تین مربعے مظفر م
کے دادا کو انعام میں دیئے تھے۔ باپ بھی بڑے نیک ہیں۔ ایسا شریف اور متقی آ
خدا کی قسم میں نے عمر بھر نہیں دیکھا، صورت دیکھکر مرید ہونے کو جی چاہتا ہے۔
مظفر نے لائن بدل لی تو کیا ہوا، ہیں تو اسی باپ کے بیٹے"

مظفر میاں مسکراتے ہوئے چلے گئے اور میں حیرت سے رحمت میاں کو دیکھنے لگا

شخص کو باتیں کرنے کا اور بات بنانے کا کتنا سلیقہ ہے۔؟

اَن بَن

رعنا سے میرے میل جول میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ میں برابر اس کے ہاں یا جایا کرتا تھا۔ وہ اسی اخلاق و تپاک سے ملتی تھی جو اس کا شیوہ تھا قاسم کی آمدو نت بھی اس کے ہاں جاری تھی" اور پوری بے تکلفی اور بے باکی کے ساتھ" اس رسم راہ کی منزل اب دنوں اور ہفتوں سے نکل کر مہینوں کی سرحد سے بھی بہت پرے کل چکی تھی، لیکن گردش روز و شب کے باوجود ہمارا سفر جاری تھا" اس عرصہ میں وئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ زندگی کا کارواں اپنی رفتار پر چلا جا رہا تھا کبھی بھی ہچکولے آتے تھے۔ نشیب و فراز سے بھی سابقہ پڑتا تھا خطرناک موڑ اور پُرپیچ وادیاں بھی آتی تھیں لیکن سب سے بچتا بچاتا یہ قافلہ حیات رواں دواں گرم سیر تھا۔؟

ایک روز میں اور رعنا بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ باتیں جن کا کوئی خاص مفہوم نہیں تھا جو محض وقت گزاری کے لئے کی جاتی ہیں۔ باتوں۔ باتوں میں اپنی کمپنی کا ذکر چھڑ گیا۔ رعنا کہنے لگی:

مظفر اور ریحانہ ایک دوسرے سے بہت خطرناک حد تک قریب ہوتے جاتے ہیں۔

میں نے کہا، اگرچہ میں مطلب سمجھ گیا تھا۔

قریب تو ہیں لیکن خطرناک سے تمہارا مطلب کیا ہے؟

بولی

خطرناک سے میرا مطلب یہ ہے کہ محمود کا پتہ کٹتا جا رہا ہے۔

"اوہ یہ تو کوئی بات نہیں، اس دنیا میں یہ تماشے ہر روز ہوتے رہتے ہیں"

"لیکن ایسی بے حیائی کے ساتھ —— مجھے دیکھئے نا جیسی کچھ اور بھی کچھ ہوں آپ کیا ساری دنیا جانتی ہے لیکن رکھ رکھاؤ بھی تو کوئی چیز ہے"

"ہاں بڑی چیز ہے لیکن ہوا کیا"؟

"کہہ دوں گی تو آپ یقین نہیں کریں گے" ؟

"ضرور کریں گے کہو تو"

کچھ دیر تک مسکراتی رہی پھر بولی

"پرسوں آؤٹ ڈور شوٹنگ تھی شہر سے بہت دور ایک گاؤں سے الگ ہٹ کر ایک جگہ منتخب کی گئی یہاں پرانے زمانے کی کچھ عمارتیں تھیں انھیں کے کچھ مناظر لینا تھے"

"ٹھیک ہے"

"اوں ھو سنئے تو —— ہم سب رک گئے"

"قاسم بھی ہو گا"

پھر وہی جائیے میں نہیں کہتی۔

میں ہنسنے لگا۔

تم تو خفا ہو گئیں، اچھا کہو:

"آؤٹ ڈور شوٹنگ میں لوگوں کو ایک دوسرے سے گھلنے ملنے اور پینگ بڑھانے کا خوب موقع ملتا ہے یہ تو معلوم تھا۔ لیکن بڑے لوگ بھی اس موقع سے فائدہ اٹھانا جانتے ہیں یہ اب معلوم ہوا

"توبہ بھئی کیا معلوم ہوا یہ بھی تو کہہ چلو کسی طرح ؟"

شوٹنگ رات کے دو بجے تک جاری رہی چاندنی رات میں پھرٹے ہوا کہ دن کو بھی شوٹنگ ہو گی قناتیں اور چھولداریاں موجود تھیں سب لوگ اپنے خیمہ میں چلے گئے میرے خیمہ سے ملے ہوئے خیمہ میں ریحانہ کا پڑاؤ تھا اور اس سے ملے ہوتے خیمہ میں منظفر صاحب، یہ تین خیمے پاس پاس تھے باقی کافی فاصلے پر۔ مجھے نیند آ چلی تھی کہ ریحانہ کے خیمہ سے باتیں کرنے کی آواز آئی ؛ میں نے دل میں سوچا یہ اس وقت کس سے باتیں کر رہی، میں ٹوہ لگانے کے لئے میں سمٹ کر دیوار کے پاس آ بیٹھی، کچھ صاف سُنائی نہ دیا ایک جگہ سے دیوا ذرا پھٹی ہوئی تھی میں نے اس کے شگاف کو اور بڑھا دیا اور اسی سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ سب کچھ دیکھنے اور سننے لگی :

میں نے لطف لیتے ہوئے کہا ؛

ہاں بھئی کیا کیا دیکھا اور سنا تم نے ۔ ؟

" وہی تو سُنا رہی ہوں " پھر بولی

" ان لوگوں کو اس کا وہم بھی نہیں تھا کہ میں دیکھ رہی ہوں "

" ٹھیک ہے آگے چلو، پھر کیا ہوا " ؟

" اب میں کیا کہوں کیا ہوا وہی سب کچھ جو ہونا چاہتے تھا۔

یعنی ——— واقعی ؟

یہ تو اپنی آنکھوں دیکھا تو ماجرا بیان کر رہی ہوں ——— اور ایسی بے حیائی کے ساتھ کہ توبہ بھلی۔

" تمھیں خدا کی قسم " ؟

" اللہ قسم ——— میں اکیلی کھڑی تھی لیکن شرمائی جا رہی تھی مو بھیڑیا بنا ہوا تھا بھیڑیا اور ریحانہ کو کیا کہوں وہ بھی کچھ کم نہ تھی اپنے جوہر

دکھانے میں ——— ہائے میرے اللہ سوچتی ہوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں بدن کے اب تک ——— یہ تو وہ ہوا جو میں نے دیکھا تھا، اب وہ سنئے جو میں نے سُنا۔

"ضرور سناؤ"

"کہنے لگی، گلے میں باہیں ڈال کر، پیارے مظفر مجھے محمود کے دام سے چھڑاؤ ——— اُس نے سینے سے لگا کر جواب دیا 'پڑا رہنے دو سالے کو ایک کونہ میں ہمارا کیا بگاڑتا ہے۔ کبھی آنکھیں دکھائیں تو نپٹ لیں گے، گڑ سے مرے تو زہر کیوں دیں ———

پھر کچھ دیر تک دونوں میں کشتی ہوتی رہی، مظفر نے سُستاتے ہوئے کہا تمھیں پاکر میں سب کچھ بھول جاتا ہوں۔

اور میں بھی

مظفر نے کہا

وہ دن کب آئے گا جب تم میری ہو جاؤ گی۔

اس نے گلے میں باہیں حائل کردیں اور کہا۔

دن کو چھوڑو، وہ کون سی رات ہے جب میں تمھاری نہیں بنتی تم میرے نہیں بنتے۔

وہ زور زور سے ہنسنے لگا اس نے ریحانہ کو کلیجہ سے لگا لیا اس کی گود میں پہنچ کر اُس نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی

آہستہ آہستہ"

"کیوں"

کوئی سُن لے گا

تو کیا کرے گا؟
کوئی دیکھ لے گا۔
تم ان باتوں کی پرواہ کرتی ہو۔
نہیں ـــــــ لیکن فائدہ کیا۔
دونوں پھر آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگے پھر اپنے کام میں لگ گئے میں بدستور دیوار سے لگی کھڑی تھی کچھ دیر کے بعد میرے کان میں آواز آئی۔
ریحانہ کہہ رہی تھی
عارفہ مجھ سے بہت جلتی ہے، حالانکہ میں اس سے بولتی بھی نہیں۔
مظفر نے کہا
اس لئے جلتی ہے کہ وہ سب کچھ سمجھ گئی ہے مجھ سے بھی اب اکڑی رہتی ہے دو دو دن نہیں بولتی
ریحانہ نے کہا
مجھے شبہ ہے وہ ہمارے تعلقات بھانپ گئی ہے۔
مظفر نے بے پروائی سے کہا،
تمھیں شبہ ہے اور مجھے یقین ہے لیکن مطمئن رہو وہ کچھ نہیں کر سکتی۔
بڑے نخرے سے ریحانہ نے کہا:
واہ کر کیوں نہیں سکتی۔ بہت بڑا ہنگامہ کھڑا کر سکتی ہے، اسے ہمارے راستہ سے ہٹنا چاہیے۔
مظفر نے ریحانہ کا منہ چوم کر کہا:
سمجھ لو ہٹ گئی وہ ہمارے راستہ سے۔
واہ یہ کیسے سمجھ لوں، ہر وقت تو آنکھوں آنکھوں میں نگرانی کیا کرتی ہے

میری جیسے میں اس کی سوت ہی تو ہوں۔

وہ خود اپنے الفاظ پر مسکرادی منظفر نے پیار کرتے ہوئے کہا:

سوت نہیں تو کیا ہو، اس کا جلنا حق بجانب ہے لیکن میں کہتا ہوں یہ پاپ کٹ گیا وہ ہٹ گئی ہمارے راستہ سے۔

ریحانہ نے مچل کر کہا:

"کیسے"

منظفر نے اس کے سنہرے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

اس کا تبادلہ رتنا گری کالج ہو گیا ہے ہفتہ عشرہ میں چلی جائے گی۔ اس سے قبل بھی کئی دفعہ اس کا تبادلہ ہوا لیکن میری وجہ سے وہ استعفادینے پر تیار ہو گئی اس مرتبہ وہ مجھے چھوڑ کر جانے پر راضی ہے، کہہ رہی تھی ہفتہ عشرہ میں چلی جاؤں گی، میں نے ایک آدھ دفعہ یوں ہی دکھاوے کو روکا لیکن نہ مانی میں بھی راضی ہو گیا۔ وہ چلی جائے پھر دن عید اور رات شب برات ہو گی۔

بہت مطمئن ہو کر لیکن قدرے سہم کر اس نے کہا:

اور محمود

بھیج دوں اُسے بھی کہیں

ہاں بھیج دو کچھ ہی دنوں کے لئے سہی

ہمارے کلکتہ کے ایجنٹ نے لکھا ہے کہ ہم آپ کی پکچر کی سلور جوبلی منانا چاہتے ہیں ہمارا ہاتھ بٹانے کے لئے کسی اپنے آدمی کو بھیج دیجئے۔ محمود ہی کو چلتا کرتا ہوں وہاں کچھ اور کام اُس کے ذمہ کر دوں گا کم سے کم دو تین مہینے کی تو چھٹی ملے گی۔

بہت مطمئن ہوئی کہنے لگی :

لیکن عارفہ کے جانے سے پہلے محمود کو بھیجئے۔

میں سمجھ گیا، ایسا ہی ہوگا ، کل ہی لو۔

پھر بڑی دیر تک دونوں میں کھسر پھسر ہوتی رہی جب پو پھٹنے لگی تو دونوں پریم کے متوالے ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں چپکے سے اپنی جگہ واپس آ گئی،۔ دیکھئے انجان صاحب یہ حالت ہے ان شریفوں اور بڑے آدمیوں کی —— پھر اگر ہم جیسے چھوٹے اور غیر شریف لوگ کبھی کبھار کھل کھیلتے ہیں تو نہ جانے لوگ ناک بھوں کیوں چڑھاتے ہیں۔

میں نے کہا :

ٹھیک کہتی ہو لیکن رعنا ایک بات یاد رکھو

" فرمایئے کون سی بات " ؟

جس طرح بڑائی میراث میں نہیں ملتی حاصل کی جاتی ہے اسی طرح چھوٹائی بھی میراث میں نہیں ملتی، حاصل کی جاتی ہے۔ یہ میرا مستقل اور اٹل عقیدہ ہے"

لیکن میں سمجھی نہیں

بہت صاف بات ہے چھوٹے سے چھوٹا آدمی بڑا بن سکتا ہے اور بڑے سے بڑا آدمی چھوٹا بن سکتا ہے۔ یہ تو اپنے کردار اور عزم پر منحصر ہے۔ فلاں آدمی بڑے خاندان کا ہے اور فلاں کا شجرہ نسب خراب ہے۔ یہ بیکار اور مہمل باتیں ہیں؛

لیکن دنیا تو نہیں مانتی اس عقیدہ کو

نہ مانے ہم کب مانتے ہیں دنیا کو

وہ ہنسنے لگی اور پھر بڑی دیر تک ہم لوگ ہنسی مذاق کی باتیں کرتے رہے

نہ جانے کیا کیا اور کب تک ۔؟

دوسرے روز ہم لوگ شہر واپس آ گئے، شوٹنگ ختم ہو چکی تھی حالانکہ میرا گھر مظفر کے گھر سے ملا ہوا تھا لیکن میں ہاں نہ جا سکا، بات یہ ہوئی کہ شہر آنے کے بعد میں سیدھا اسٹڈیو پہنچا، وہاں سے جب چلنے لگا کہ اب گھر جاؤں تو رعنا سے مڈبھیڑ ہو گئی اور وہ مجھے اصرار کر کے اپنے ساتھ باندرہ لے آئی۔ یہاں پھر ایسی باتیں چھڑیں کہ رات زیادہ ہو گئی۔ رعنا نے کہا۔ اب یہیں رہ جایئے صبح چلے جایئے گا، اندھا کیا چاہے دو آنکھیں، میں راضی ہو گیا۔ یہ ساری رات آنکھوں میں کٹی، نہ میں سویا نہ رعنا، صبح کوئی خاص کام بھی نہیں تھا، اسٹڈیو میں نہ آ سکا نہ کوئی سیٹ تھا۔ لہٰذا اطمینان سے ناشتہ کر کے میں کوئی گیارہ بجے کے قریب گھر پہنچا۔ ارادہ یہ تھا کہ گھوڑے بیچ کر سوؤں گا وہ باتیں دماغ سے بالکل خارج ہو چکی تھیں۔ جو رعنا نے ریحانہ اور مظفر کے بارے میں کی تھیں۔ دروازے پر قدم رکھتے ہی میں نے دیکھا ٹیکسی کھڑی ہوئی ہے۔ سامان رکھا جا رہا ہے دفعتہً وہ ساری باتیں یاد آ گئیں جو رعنا نے کی تھیں۔ میں نے ملازم سے پوچھا۔

محمود میاں جا رہے ہیں کیا؟

نہیں صاحب وہ تو جا چکے

میں حیرت زدہ ہو گیا۔

جا چکے۔ کہاں ۔؟

"کلکتہ گئے رات کی گاڑی سے صاحب۔"

"اب کون جا رہا ہے یہ سامان کس کا ہے۔"؟

"بیگم صاحبہ کا وہ جا رہی ہیں۔"

میں جلدی جلدی اوپر چڑھا اور سیدھا مظفر کے گھر پہنچا۔ عارفہ اب

نیچے اترنے ہی والی تھی، ان چند دنوں میں کتنا فرق آ گیا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کچھ بیمار ہے، خون سوکھا جارہا ہے، آنکھیں گڑھے میں دھنس گئی تھیں بھول سا چہرہ کمھلا گیا تھا۔ نہ وہ شوخی تھی نہ شرارت، یہ سب کچھ چند دن کے اندر ہو گیا تھا۔ میں اُسے دیکھکر متحیر ہو گیا۔ لیکن میں نے کچھ کہنا مناسب سمجھا، مجھے دیکھکر وہ ٹھٹکی۔

"اہا انجان صاحب کہاں رہے اتنے دن"؟

"کہیں نہیں یہیں تھا کچھ الجھنوں میں پھنسا رہا نہ آسکا ــــــ یہ آپ نے رختِ سفر کیسے باندھ لیا"؟

وہ پھیکی ہنسی ہنسی اُس نے کہا"!

"اب چل چلاؤ ہے"۔

ان الفاظ میں کتنا درد تھا، کتنی حسرت تھی وہ اس وقت بہت ضبط سے کام لے رہی تھی کوئی اور عورت ہوتی تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی۔

میں نے کہا،

"کہاں جارہی ہیں آپ" ؟

"رتناگیری ــــــ تبادلہ ہو گیا ہے"!

تو کیوں جارہی ہیں، نہ جایئے انکار کر دیجئے۔

کیوں انکار کر دوں۔

آخر آپ کو دیس بدیس پھرنے کی ضرورت کیا ہے نوکری کی آپ کو سچ مچ حاجت ہی نہیں۔

وہ مسکرائی کہنے لگی

بس یہی سمجھ لیجئے کہ دلچسپی کے لئے جارہی ہوں، ذرا آب و ہوا بدل جائے

گی شاید میں بھی بدل جاؤں۔
مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے کہا
آپ تو کافی بدل گئی ہیں۔
نہیں یہ آپ کا خیال ہے ——— اچھا خدا حافظ۔!
اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ میرا بہت کچھ کہنے کو جی چاہ رہا تھا میں اُسے ملامت کرنا چاہتا تھا کہ دیکھ لیا ریحانہ کو ساتھ رکھنے کا انجام۔ لیکن اُس کے تیوروں میں ایسی سنجیدگی اور چہرے پر اس بلا کا وقار تھا کہ دل کی دل ہی میں رہ گئی، میں کچھ نہ کہہ سکا۔ میں نے پوچھا۔
اسٹیشن تک چلوں۔؟
کیا کیجئے گا تکلیف کرکے۔
میری تکلیف کو چھوڑیئے، آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں۔
بالکل نہیں، چلئے۔
عارفہ نے اپنے پیارے بچہ کا ہاتھ پکڑا اور چل کھڑی ہوئی، میں بھی اس کے ساتھ ساتھ چلا، پھر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ میں نے کہا
مظفر کہاں ہیں، اسٹیشن تک تو انھیں چلنا چاہئے تھا؟
پرسکون انداز میں اس نے کہا:
اسٹڈیو گئے ہیں شوٹنگ ہے آج، ذرا بھی تو فرصت نہیں ملتی انھیں۔ بہت مصروف ہیں، وہ تو اصرار کر رہے تھے ساتھ چلنے کے لئے۔ لیکن میں نے کہا کیا کیجئے گا یہ رسمی باتیں کرکے میرے آپ کے درمیان کچھ تصنع اور تکلف تو ہے نہیں، اتنا کام ہے تو جایئے میں چلی جاؤں گی اکیلی، کچھ بچہ تو ہوں نہیں۔
وہ مسکرانے لگی، میں محسوس کر رہا تھا یہ اپنے شوہر کی صفائی اپنی طرف

سے دے رہی ہے اور جو کچھ اس نے کہا اس کا ایک حرف بھی صحیح نہیں ہے۔ شاید وہ تاڑ گئی کہ میں اس کی باتوں کا یقین نہیں کر رہا ہوں اس نے موٹر میں بیٹھتے بیٹھتے کہا پھر بھی کہہ گئے، میں موقع ہوا تو اسٹیشن پر آتا ہوں۔

ہم لوگ اسٹیشن پہنچے، فرسٹ کلاس کا ایک ؟ عارفہ نے اپنے لئے مخصوص کرا لیا تھا اپنے بچے کو لے کر وہ اس میں بیٹھ گئی میں دروازے پر پاس کھڑا رہا اور باتیں کرنے لگا۔ کہنے لگی

آپ مصروف تو بہت ہیں لیکن میرا کچھ تقاضہ ہے آپ سے۔

"فرمائیے"

"کبھی کبھی خط لکھتے رہا کیجئے گا مظفر بڑے بے پروا آدمی ہیں وہ بھلا کاہے کو خط لکھیں گے اور لکھیں گے تو اپنی خیریت کے بارے میں کچھ نہیں لکھیں گے۔ آپ ذرا خیال بھی رکھیے گا اور لکھتے بھی رہیئے گا۔

یہ کہتے کہتے، اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھلک سی دکھائی دی لیکن فوراً ختم ہو گئی۔ اُس نے فوراً اپنے اوپر قابو پا لیا میں اس کی کیفیت دیکھ رہا تھا۔ سمجھ رہا تھا لیکن اس کا رنگ و رُخ دیکھکر مجھے کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑی دل ہی دل میں عش عش کر کے رہ گیا۔ کس دِل گردے کی ہے یہ عورت بھی! عارفہ نے بچے کو پیار کرتے ہوئے اپنے پاس بٹھا لیا اور کہا:

آج یہ بچہ سست سا ہے، بدن بھی تو کچھ گرم دکھائی دیتا ہے۔ کہیں بخار نہ آجائے۔

میں نے دلاسا دیتے ہوئے کہا:

کوئی بات نہیں ریل چلے گی، دلچسپ مناظر اسے اپنا گرویدہ بنا لیں گے۔ طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔

طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔

حالانکہ اصل واقعہ یہ تھا کہ بچہ ہڑک رہا تھا اور باپ سے جدائی کو غیر محسوس طور پر محسوس کر رہا تھا۔ اتنے میں گاڑی نے سیٹی دی آہستہ آہستہ رینگی اور پھر تیز چل کر نظر سے اوجھل ہو گئی۔ جب تک نظر آتی رہی میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ عارفہ اور اس کے بچہ کی گردن باہر نکلی ہوئی تھی، شاید وہ لوگ مظفر کا انتظار کر رہے تھے، شاید انھیں اُمید تھی کہ بچھڑنے سے پہلے ایک مرتبہ ملاقات ضرور ہو جائے گی خواہ وہ کتنی ہی مختصر اور نامکمل کیوں ہو، لیکن ان کی یہ حسرت پوری نہ ہوئی، وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ پلیٹ فارم کا مجمع چھٹ گیا میں اسٹیشن سے سیدھا اسٹڈیو گیا تاکہ اگر موقع ہو تو مظفر کو لتاڑوں اور اسے احساس دلاؤں کہ اس نے کتنی بڑی اور کیسی سنگین غلطی عارفہ کے ساتھ بے التفاتی کر کے کی ہے۔ لیکن اسٹڈیو کا رنگ کچھ دوسرا تھا وہاں ریحانہ اور مظفر اپنے کیبن میں بیٹھے ہوئے تھے اور غایت درجہ دلچسپی کے ساتھ ایک دوسرے سے گھُل مِل کر باتیں کر رہے تھے۔ جیسے یا تو انھیں عارفہ کے جانے کا علم نہیں یا اگر علم ہے تو کچھ احساس نہیں۔ میں ناخواندہ مہمان کی طرح ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ گیا۔ مظفر نے کہا:

کہاں سے آرہے ہو؟

میں نے جواب دیا

اسٹیشن سے

مظفر کچھ شرمندہ سا ہوا، سمجھ گیا میں اسٹیشن کیوں گیا تھا۔ لیکن اُس نے بات کا پہلو بدل لیا اور کہا:

کہئے آپ نے وہ اپنی اسٹوری مکمل کرلی!

ریحانہ بولی :
ایک آئیڈیا میرے دماغ میں بھی گھوم رہا ہے کوئی وقت دیجئے تو سناؤں
میں نے کہا
وقت ہی وقت ہے، آج شام کو سہی
ہاں آج رات کو کھانا ہمارے ساتھ کھایئے۔
بہت خوب آجاؤں گا وقت پر۔
پھر میں اپنے کیبن میں چلا آیا، تھوڑی دیر کے بعد رعنا آئی بے تحاشہ
ہنستی ہوئی، میں نے کہا
کیا بات ہے کیوں ہنس رہی ہو؟
وہ اور زیادہ ہنسنے لگی، دوہری ہوئی جارہی تھی ہنستے ہنستے میں نے کہا
کچھ کہو بھی تو
محمود کا کمرہ میرے کیبن کے بالکل سامنے تھا انگلی سے اشارہ کرکے کہنے لگی:
وہ دیکھئے محمود صاحب کا مقبرہ
پھر ہنسنے لگی میں نے کہا
ہاں وہ کلکتہ گئے
بل کھاتی ہوئی بولی
اور عارفہ بیگم، سنا ہے وہ بھی سدھار گئیں" ؟
ہاں وہ بھی رتناگیری گئیں
وہ پھر ہنسنے لگی، آج اس پر ہنسی کا دورہ پڑ رہا تھا میں نے کہا
اس قدر ہنسی کیوں آرہی ہے؟
دنیا کے انقلاب پر

انقلاب اپنے ساتھ قہقہے کم لاتا ہے، آنسو زیادہ لاتا ہے۔
"قہقہے میرے لئے آنسو دوسروں کے لئے۔
"دوسروں پر ہنسنا اچھا نہیں ہوتا۔"
"تو رونے سے کیا حاصل، ہنسنے کی عادت اچھی ہوتی ہے۔ اس طرح غم کا سہنا آجاتا ہے۔"
"یاد رکھو یہ دنیا ہے آج وہ کل ہماری باری ہے اگر قاسم بھی مظفر کی طرح بدل جائے تو تم کیا کرو گی، ہنسو گی"؟
اس کا تبسم سنجیدگی سے بدل گیا۔ کہنے لگی
"مجھے نہیں معلوم تھا یہ باتیں آپ کو اتنی ناگوار گزریں گی کہ آپ بددعا دینے لگیں گے۔
تم تو خفا ہو گئیں رعنا میں نے تو دنیا کی ایک بات کہی تھی
یہی ایک بات رہ گئی تھی کہنے کو؟
اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں وہ قاسم کو بہت چاہتی تھی، دل و جان سے پیار کرتی تھی اس کو، اگرچہ اپنی یہ چاہ دوسروں پر کم ظاہر ہونے دیتی تھی، اس کی نم آلود آنکھیں دیکھکر میرا دل کڑھا، میں نے کہا
"اتنا حساس بھی نہیں ہونا چاہئے ایک طرف تو یہ حالت کہ غم سہنے کی عادی بننے کے لئے قہقہوں کی مشق کر رہی ہو، دوسری طرف یہ کیفیت کہ غم انگیز بات سنی اور آنکھیں بہنے لگیں، یہ تو بڑی بزدلی ہے۔
رعنا ابھی کوئی جواب نہ دینے پائی تھی کہ قاسم آ گیا۔ میرے پاس بیٹھکر مزے مزے کی باتیں کرنے لگا، اس کی باتیں بڑی دلچسپ ہوتی تھیں۔ وہ اپنی باتوں کے پھندے میں صرف عورتوں ہی کو اسیر نہیں بلکہ مردوں کو بھی باندھ لیتا تھا

وہ بیٹھا تو میری نشست گاہ باغ و بہار بن گئی، چھیڑ چھیڑ کر ہنستا تھا، زبردستی ہر بات میں ہنسی کا پہلو پیدا کرتا تھا خود ہنستا تھا دوسروں کو ہنساتا تھا۔ شاید رعنا کا نیا فلسفہ مسرت قاسم ہی کی صحبت اور تربیت کا نتیجہ تھا، رعنا کا حال اس وقت دیکھنے کے قابل تھا "قاسم اس سے کم مجھ سے زیادہ مخاطب تھا۔ لیکن وہ اس طرح اس کی باتوں پر کان لگائے ہوئے لطف لے رہی تھی۔ جیسے فردوس گوش اور جنت نگاہ کو کسی نے ایک جگہ جمع کر دیا ہو، میرے سامنے وہ قاسم سے ملتفت ہوتے ہوتے جھجکتی تھی۔ لیکن آج تو اس پر نشہ سا چھایا ہوا تھا۔ ضبط کرنا چاہتی تھی۔ لیکن نہیں کر پاتی تھی۔ خاموش تھی اور اس کی طرف ہمہ تن متوجہ جہاں اس نے کوئی خندہ آور بات کہی اور وہ زور زور سے ہنسنے لگی۔ اس کے مقابلہ میں قاسم، بہت محتاط تھا، اس کی نگاہیں میری طرف تھیں۔ مخاطب صرف مجھ سے تھا۔ موضوع گفتگو اسٹڈیو کی سیاست تھی۔ فلاں ایکٹر یوں فلاں پر مر رہا ہے اور فلاں ایکٹرس یوں فلاں پر جان دے رہی ہے، میوزک ڈائرکٹر صاحب اپنے کمرے میں یوں گل کھلاتے ہیں اور کیمرہ مین صاحب یوں رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ وہ باتیں جو اسٹڈیو میں ہر روز اور ہر آن ہوا کرتی ہیں، جن میں میرے لئے کوئی ندرت نہیں تھی۔ لیکن اس کے انداز بیان نے دلچسپی بھی پیدا کر دی تھی اور ندرت بھی، میں رعنا کو الزام دے رہا ہوں، لیکن سچ پوچھئے تو اس کے بعض جملوں پر میں بھی بے ساختہ مجبور ہو کر ہنس پڑتا تھا۔

ٹریجڈی —— کامیڈی

کہانی دو طرح کی ہوتی ہے یا تو وہ کامیڈی (طربیہ) ہو گی یا ٹریجڈی (المیہ) ہو گی ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی کہانی بیک وقت ٹریجڈی بھی ہو اور کامیڈی بھی ایک ہی واقعہ پر لوگ ہنسیں بھی اور روئیں بھی۔ ایک واقعہ ایک ہی اثر رکھ سکتا ہے، ہنسائے گا یا رُلائے گا۔ یہ دونوں کام بیک وقت نہیں انجام دے سکتا، لیکن چمن بائی کا گھر ایک ایسی کہانی بن گیا تھا، جو بیک وقت ٹریجڈی اور کامیڈی کا مجموعہ تھا ایک ہی واقعہ تھا کہ اس کا ایک پہلو جتنا خندہ آور تھا وہی پہلو اتنا ہی اشک ریز بھی تھا۔ یہ بڑی عجیب بات تھی، لیکن یہ دنیا عجائبات سے بھری ہوئی ہے۔ صرف دیدۂ بینا کی ضرورت ہے۔

چمن بائی نے اپنی فلم کمپنی قائم کر لی اور "چاندنی" کی شوٹنگ زور شور سے شروع کر دی۔ مجنوںؔ صاحب کو وہ اپنے ساتھ دہلی سے بڑی اچھی شرائط پر اور بڑے چاؤ سے لائی تھیں، وہ ہوٹل میں ٹھہرنا چاہتے تھے۔ لیکن انھوں نے مادرانہ شفقت کے ساتھ اصرار کر کے اپنے دولت کدہ پر ٹھیرایا تھا، بہتر سے بہتر ناشتہ عمدہ سے عمدہ کھانا کئی کئی بار چائے، بڑھیا سگریٹوں کے درجنوں ڈبے، غرض وہ مجنوںؔ صاحب کی مہمان داری میں ضرورت سے کہیں زیادہ فراخ دلی کا مظاہرہ کر رہی تھیں، وہ چاہتی تھیں اسٹوری بے مثال ہو اور مجنوںؔ صاحب نے جو اسٹوری دی تھی وہ انھیں بہت پسند آئی تھی، اب ان کی تمنا تھی اس اسٹوری کو مجنوں صاحب اوجِ کمال پر پہنچا دیں۔ یہی سوچ کر انھوں نے

بقول رقم آخر کر کے معاہدہ کر لیا تھا اور ہمہ تن ان کی خاطر مدارات اور دل جوئی میں لگی رہتی تھیں، میر صاحب اور خاں صاحب کو ان کا خادم بنا دیا تھا۔ وہ دونوں ان سے بہت جلنے لگے تھے۔ لیکن وہ اس بری طرح ڈانٹتی تھیں کہ میر صاحب اور خاں صاحب دھری رہ جاتی تھی۔ مجنوں صاحب اپنی یہ خاطر داریاں دیکھکر پھولے نہیں سماتے تھے، انھیں یقین تھا چاندنی کے شوہر اور چمن بائی کے خانہ داماد وہی بنیں گے، خود چاندنی بھی ان سے بڑے تپاک و اخلاق سے ملتی تھی۔ آدمی ذرا بزدل قسم کے تھے، پہل کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے اور کچھ یہ حسنِ ظن بھی تھا کہ ایک روز ضرور خود چمن بائی ان کے سہرا باندھیں گی اور چاندنی اُن کی شرعی کنیز بنے گی۔ یہی سوچ کر وہ ذرا اپنے تیئں لئے دیئے رہتے تھے۔ دل میں عشق کا طوفان چھوٹا پڑ رہا تھا۔ لیکن اب افسانۂ عشق سے ناآشنا تھے ان کی یہ سعادت مندی اور بیگانگی دیکھکر چمن بائی اُن کے کیریکٹر کی طرف سے بالکل مطمئن تھیں اور چاندنی بھی بے تکلفی میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتی تھی۔ غرض خوب مزے میں گذر رہی تھی ایسی رنگین اور سراپا کیف دنیا کاہے کو انھوں نے کبھی خواب میں بھی دیکھی ہو گی۔ میری ان کی ملاقات کا سلسلہ قائم تھا۔ کبھی میں چمن بائی کے یہاں جاتا تو پھر وہ مجنوں صاحب میرا پیچھا نہ چھوڑتے۔ بڑے جوش سے فرماتے آج رات کے نو بجے چاندنی میرے کمرے میں آئی اور بڑی دیر تک شعر و شاعری پر بحث و گفتگو کرتی رہی، خدا کی قسم بڑی پاکیزہ اور باعصمت لڑکی ہے اسے تو کسی دلی کے گھر میں پیدا ہونا چاہیے تھا۔ چمن بائی کے بارے میں تم نے مجھے نجانے کیا الم غلم کہہ مارا تھا۔ لیکن یار وہ بھی بڑی پارسا عورت ہے اور میرا تو اتنا خیال کرتی ہے کہ کیا کوئی ماں اپنی اولاد کا کرتی ہو گی۔ چاندنی کو بھی میرے پاس بیٹھنے سے منع نہیں کرتی بلکہ میری اور اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ ویسے کیا مجال پرندہ پر تو مارے چاندنی

کے کمرے میں۔ لیکن مجھے آزادانہ اجازت حاصل ہے۔ جانتا ہوں میرے بارے میں اس کے کیا خیالات ہیں اور کبھی مجنوں صاحب خود میرے پاس میری کمپنی کے اسٹڈیو میں آجاتے اور گھنٹوں سر کھاتے، وہی چمن بائی کی تعریف چاندنی کا روح پرور تذکرہ یہ ایسا ذکر تھا جس سے وہ کبھی تھکتے ہی نہیں تھے وہ باربار یقین دلاتے تھے۔ چاندنی اُن کی ہو کر رہے گی۔ یہ ازل سے مقدر ہو چکا ہے کہتے تھے اور بڑے فخر سے کہتے تھے میرے اور چاندنی کے مزاج اور عادات میں بڑی یکسانیت ہے جو مجھے بھی مرغوب ہے بلکہ میں تو اب یہ محسوس کر رہا ہوں کہ وہ اپنی پسند کو میری پسند کے قالب میں ڈھالتی چلی جا رہی ہے۔ اسے گلابی رنگ سے نفرت تھی۔ ایک کپڑا بھی اس رنگ کا اس کے پاس نہیں تھا ایک روز باتوں باتوں میں کہیں میں نے کہہ دیا کہ ہلکا گلابی رنگ مجھے بہت بھاتا ہے۔ دوسرے روز دیکھتا کیا ہوں کہ چمن بائی کے ساتھ شاپنگ کو سواری جا رہی ہے میرے کمرے کی طرف سے گذریں، فرمایا چلئے مجنوں صاحب ہم شاپنگ کو جا رہے ہیں ہماری مدد کیجئے۔ چمن بائی نے بھی اصرار کیا میں تیار ہو گیا اور ساتھ چل پڑا۔ للو رام کی دوکان پر پہنچیں ساریوں کی فرمائش کی اس نے ایک سے ایک طرح دار اور دل آویز ساری سامنے لاکر ڈال دی اُلٹ پلٹ کر دیکھتی رہیں پھر ایک ادا کے ساتھ مجھے دیکھکر للو رام سے کہا کوئی ہلکی گلابی رنگ کی دکھایئے اس نے گلابی رنگ کی طرح طرح کی ساریاں لاکر سامنے ڈھیر کر دیں ظالم نے ایک درجن کے قریب ساریاں خرید لیں، اور سب گلابی رنگ کی، شرم سے چہرہ بھی گلابی ہوا جا رہا تھا اور مسکرا بھی رہی تھیں۔ چمن بائی نے کہا چھوکری یہ آج تجھے کیا ہو گیا ہے یا تو گلابی رنگ سے اتنی بیزار تھی کہ ایک دھجی بھی گلابی رنگ کی نہیں خریدی، یا پسند آیا تو ایک نہ دو پوری درجن بھر ساریاں خرید ڈالیں واہ

ی لڑکی، چاندنی نے مسکرا کر ایک نگاہ غلط انداز سے مجھے دیکھا اور ماں سے
کہا تمھیں کیا جب نہیں پسند تھا یہ رنگ، اب ہے ہم تو اپنی مرضی کے بادشاہ
یں، آیئے مجنوں صاحب چلیں میرے ساتھ دوکان سے اُترے اور موٹر میں بیٹھ
ئیں آکر، چمن بائی کو اپنے لئے کچھ خریدنا تھا وہ خریداری کرتی رہیں، ہم دونوں
موٹر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ کہئے الجھن صاحب ان باتوں سے کیا ظاہر ہوتا
ہے، لیکن آپ تو جلتے ہیں۔ یہ کب چاہتے ہیں کہ چاندنی میرے اندھیرے گھر کو
روشن کرے مگر آپ کے جلنے سے کیا ہوتا ہے ———— وہی ہوتا ہے
جو منظور خدا ہوتا ہے۔

میں نے مجنوں صاحب کی ان باتوں کی کبھی حوصلہ افزائی اور پذیرائی نہیں
کی میں جانتا تھا یہ مجذوب کی بڑ ہے، نہ چمن بائی ان کی ہو سکتی ہیں نہ چاندنی۔

ایک روز آدھی رات کے قریب مجنوں صاحب مجنوں بنے ہوئے میرے
گھر تشریف لائے، چہرہ فق رنگ رُخ اُڑا ہوا، بال اُلجھے ہوئے، کپڑے میلے
آنکھیں سُرخ یہ رنگ دیکھکر میں نے کہا:

خیر تو ہے؟

چپ چاپ قریب آکر بیٹھ گئے۔

ہاں خیریت تو ہے۔

روز آتے تھے تو باتیں کرتے کرتے سر کھا جاتے تھے۔ آج ایسی چپ لگی کہ
نہ سر سے کھسلتے تھے نہ منہ سے بولتے تھے، صرف سگریٹ پی رہے تھے اور
دھواں چھلے بنا بنا کر اُڑا رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا اب روئے اور اب رو دیے،
میں نے کہا:

مجنوں صاحب آج حال بے حال نظر آرہا ہے کیا بات ہے؟ کچھ تو کہئے کہ

لوگ کہتے ہیں۔ آج غالب غزل سرا نہ ہوا۔

یوں ہی جھوٹ موٹ مسکرائے پھر سنجیدہ بن گئے۔ کہنے لگے

مذاق چھوڑیئے یہ بتایئے چند روز اگر میں آپ کے پاس رہوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔

میں نے حیرت سے پوچھا۔

کیا مطلب، آپ چاندنی کو چھوڑ دیں گے یا چمن بائی کے سایہ عاطفت سے محروم ہونا پسند کریں گے۔ ؟

خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولے :

"جی ہاں "

"کیوں" ؟ وجہ، سبب" ؟

یہ سب بعد میں پوچھئے گا پہلے اجازت دیجئے نیچے وکٹوریا کھڑی ہے اور اس پر سامان رکھا ہے۔

یہ سن کر یقین ہو گیا کچھ دال میں کالا ہے۔ لیکن بحث کرنے کا یہ موقع نہ تھا، میں نے کہا :

عجیب بے تکے آدمی ہو اس میں پوچھنے اور اجازت لینے کی کیا ضرورت پھر میں نے ملازم کو آواز دی اور کہا نیچے وکٹوریا کھڑی ہے اس پر سے آپ کا سامان اُتار لاؤ اور کمرے میں چارپائی بچھا دو، یہ یہیں رہیں گے۔

ملازم تعمیل حکم کے لئے چلا تو مجنوں صاحب نے کچھ رکتے ہوئے کہا :

وکٹوریہ دو روپے میں طے ہوئی ہے۔

میں سمجھ گیا ان کی جیب خالی ہے۔ میں نے پھر اُسے آواز دے کر واپس بلایا اور دو روپے اس کے ہاتھ پر رکھے۔ اب میں واقعی فکرمند ہو چلا تھا کہ معاملہ

یا ہے میں نے پوچھا:

کھانا کھا ئے گے ۔؟

منہ بنا کر بولے ۔

نہیں ۔

"نہیں" انھوں نے اس طرح کہا کہ پھر مجھ کچھ کہنے کی ہمت نہیں پڑی گرچہ مجھے یقین تھا یہ بھوکے ہیں ، ملازم سامان لے کر آیا جو میرے کمرے میں کھ دیا گیا۔ تھوڑی دیر میں دوسری چارپائی بھی بچھ گئی میں نے ملازم سے چائے نے کو کہا وہ فوراً چائے بنا لایا، مجنوں صاحب نے چائے بے دلی سے پی انکار نہ کر سکے ۔

چائے کا دور ختم ہونے کے بعد میں نے کہا

"ہاں بھئی تو راوی کیا کہتا ہے"؟

بیچارے کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے میں نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

خدا کے بندے کچھ کہو بھی تو کیا ہوا عورت کی طرح سسوے کیوں بہا رہے ہو؟

"میری سرگذشت بڑی دردناک ہے انجان صاحب"

"کوئی مضائقہ نہیں جو آج روتا ہے وہ کل ہنستا ہے لیکن ماجرا بھی تو بتاؤ کیا ہوا"؟

"ذلیل کر کے چمن بائی نے گھر سے نکال دیا"

"نکال دیا، تمھیں"؟

"ہاں گیارہ بجے رات کو"

"اور چاندنی دیکھتی رہی یہ ظلم"!

"اس وقت چاندنی کا ذکر نہ کیجئے"

"یہ کیوں بھلا؟"

"وہ اگرچہ مجرم ہے لیکن اس کی حالت مجھ سے زیادہ قابل رحم ہے"

اب تو میرے کان کھڑے ہوئے، معلوم ہوتا ہے معاملہ ضرورت سے زیادہ نازک اور سنگین ہے مجھ سے ضبط نہ ہوا۔

"یار اشاروں اشاروں میں کیوں باتیں کر رہے ہو یا تو کچھ نہ کہو یا پھر صاف صاف ہر بات کہہ ڈالو"

میں نے ایک سگریٹ پیش کی اسے جلاتے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولے :۔

"نکال دیا مجھے اس حرام زادی نے"

"یہ تو سن لیا آگے کیا ہوا یہ بھی تو کہو کیوں نکالا؟"

کچھ دیر خاموش رہ کر بولے

"چمن بائی کے پاس وہ ایک لفنگا مہتا آتا رہتا ہے اُسے تو جانتے ہوں گے آپ؟"

"جی ہاں خوب جانتا ہوں کمبخت کچھ بھی نہیں جانتا بڑا ڈائرکٹر بنا پھرتا ہے"

"ہاں وہی کوئی تین دن ہوئے آیا تھا۔ پوچھا بڑے زور شور سے کام ہو رہا ہے"

بڑی خوشی سے کہنے لگیں

ہاں ہو تو رہا ہے

پھر پوچھا

کہانی کیسی ہے، کس کی ہے؟

میری طرف اشارہ کر کے بولیں

ارے تم مجنوں صاحب کو نہیں جانتے یہ رہے، میرا ہاتھ مہتا کے ہاتھ میں پکڑا کر بولیں

یہ بہت بڑے افسانہ نگار ہیں اور ناول نویس بھی ہندوستان کے چوٹی کے ادیب بڑی منتوں سے انھیں دہلی جاکر لائی ہوں ـــــــ اور اسٹوری تو ایسی دی ہے کہ سنو گے تو عش عش کر جاؤ گے؟

قبل اس کے کہ مہتا کچھ کہے، جھپ سے اٹھیں اپنے کمرے میں پہنچیں اور سیف کھول کر اسٹوری نکال لائیں اور مزے لے لے کر سنانے لگیں۔ وہ بڑے ذوق و شوق سے سننے لگا۔ جب سن چکا تو کہنے لگا۔ ہاں ٹھیک ہے ـــ لیکن

لیکن کہہ کے سر کھجانے لگا مجھے بھی اشتیاق پیدا ہوا کہ اب یہ کیا کہتا ہے اور چمن بائی بھی سراپا اشتیاق بن گئیں۔ سر کھجانے کے بعد کہنے لگا۔

پلاٹ نیا تو نہیں ہے

چمن بائی پر مردنی سی چھا گئی، مجھے غصہ آیا۔ میں نے کہا

کیسے نیا نہیں ہے بالکل نیا اور اچھوتا ہے میرے دماغ کی خالص پیداوار۔

چمن بائی کی جان میں جان آئی خوش ہو کر مجھے دیکھنے لگیں۔ مہتا نے کہا

چھوڑیئے مجنوں صاحب ہم نے بھی کچھ کام کیا ہے زندگی بھر گھاس نہیں کاٹی ہے۔ کتاب کا نام تو یاد نہیں آتا لیکن یہ کسی بنگالی ناول کا لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے۔

چمن بائی خونی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگیں، میں نے کہا

لیکن میں تو بنگالی نہیں جانتا

آپ نہیں جانتے آپ کا کوئی دوست جانتا ہوگا

مطلب یہ کہ میں نے چوری کی

جی جناب یہی مطلب ہے آپ کا تو کچھ نہیں بگڑے گا پیسے کھچے بچے کچھ باقی لے کے چلتے بنیں گے، چمن بائی نے زندگی بھر کی پونجی سے کمپنی کھولی ہے

یہ مٹ جائے گی آپ کا نام ہوگا یہ بدنام ہوں گی اور کہیں کی نہ رہیں گی ان
رحم کیجئے منشی جی
چمن بائی مجھے برابر گھورے جا رہی تھیں کہنے لگیں
کیوں مجنوں صاحب! ہمیں رہ گئے تھے تنکار بننے کے لئے؟
میں نے جل کر کہا:۔
یہ جھوٹے ہیں۔
مہتا نے کہا۔
ہاں خوب یاد آیا اس کی فلم بھی بنگالی میں بن چکی ہے مجھے اچھی طرح
ہے میں نے کلکتہ میں دیکھا تھا بہت دن کی بات ہے، اس لئے نام نہیں
آتا، ابھی خیر ہے تم جانو چمن بائی ہم تو تمھارے بھلے کو کہتے ہیں۔ اگر بنگ
مصنف اور کمپنی نے دعویٰ کر دیا تو کہیں کی بھی نہ رہو گی۔
چمن بائی نے کہا
بھاڑ میں جائے یہ موا مجنوں اس نے تو لٹیا ڈبو دی میری
مہتا نے کہا
لیکن گھبرایئے نہیں تھوڑا سا نقصان تو ضرور ہوگا۔ لیکن میرے پاس
چٹ پٹی اسٹوری ہے اسے بناؤ گی تو مزا آ جائے گا۔ پلاٹ سُن لو۔
وہ پلاٹ سنانے بیٹھ گیا۔ چمن بائی نے اس کی منظوری دے دی فوراً
ہزار میں سودا ہو گیا۔ کل ایگریمنٹ بھی ہو گیا۔ ایگریمنٹ کرنے کے بعد ان
رویہ اور زیادہ تلخ و تند ہو گیا۔
میں نے پوچھا
یعنی اور زیادہ جھک جھک کرنے لگیں

کہنے لگا

نہیں بھائی اب تک تو وہ آپ جناب سے باتیں کرتی تھیں۔ اب تو تکرار پر اتر آئیں گالیاں تک دیں اور وہ بھی ماں بہن کی، جوتی لے کر مارنے اُٹھیں اور ایسی باتیں کہیں کہ میں دہل گیا۔

مجنوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے وہ بڑا حساس تھا مرا جا رہا تھا اپنی توہین کے غم میں اور میں آئے دن اس دنیا میں یہ تماشہ دیکھا کرتا تھا مجھ پر ذرا بھی اثر نہیں تھا میں نے ذرا چھیڑتے ہوئے کہا

تو اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے دودھاری گائے کی لاتیں بھی بھلی ہوتی ہیں خانہ داماد بھی تو بنا رہی ہیں۔ تمھیں ماں کی طرح چاہتی بھی تو ہیں بڑے احسان فراموش ہو۔

جل ہی تو گیا۔ اس نے کہا

اس وقت ایسی باتیں نہ کرو میرا دل دکھا ہوا ہے

خواہ مخواہ دکھا ہوا ہے، عقل سے کام لو، بیوقوفی کی باتیں نہ کرو

"کیا مطلب؟"

مطلب یہ کہ پہلے چاندنی کو اپنا لو جب میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی پھر استے لے کر میرے ہاں چلے آؤ منہ دیکھتی رہ جائیں گی بڑی بی

بالکل روہانسو ہو کر بولا

چاندنی کا معاملہ بھی اب دوسری صورت اختیار کر چکا ہے۔

وہ کیا بھئی۔؟

وہ یہ کہ سانپ کا بچہ سنپولا ہوتا ہے

ٹھیک ہے ہوتا ہے، لیکن کیا چاندنی بھی؟

اجی کچھ پوچھو نہیں، لنکا میں سب باون گز کے

آج تو سب سے خفا ہو۔

کسی سے خفا نہیں اپنی زندگی سے بیزار ہوں

"اے ہے ابھی میرے لال نے دنیا کا دیکھا کیا ہے" زندگی سے بیزا

تیرے دشمن" تو جگ جگ جئے دودھوں نہائے' پوتوں پھلے"

مجنوں کو ہنسی آگئی اس نے جل کر کہا۔

"مذاق کا یہی وقت ہے؟"

"اس سے بڑھکر اور کون وقت ہوسکتا ہے یا تمھارے گلے میں باہ

ڈال کر رونے لگوں ارے بیوقوف ان باتوں میں دم بھی ہے کچھ۔ یہ تو د

کی دنیا میں ہوتا ہی رہتا ہے۔ تم تو اپنا رشتہ چاندنی سے مضبوط رکھو اور بس۔

مجنوں نے کڑک کر کہا

"چاندنی، چاندنی تمھیں معلوم ہے اس حرامزادی کا کیا حشر ہوا"

"کیا ہوا بھئی؟"

پھر بغیر معلوم کئے یہ بک بک کیوں کئے جا رہے ہو؟

تو بتا دو نا

بتاؤں کیا خاک ———— ایک ہی حرافہ نکلی وہ بھی، اسی

تو کہتا ہوں سانپ کا بچہ سنپولا

آخر کچھ کہو تو ہوا کیا ———— خدا کے بندے

کیا کہوں کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے

یہ لیجئے اب شرمانے لگے۔ اماں کہہ بھی ڈالو۔

ارے یار وہ چمن بائی کا خانہ زاد لوکرہے نا کیا نام ہے اس کا؟"

"شیطان ــــــــ چمن بائی اسے فتو کہتی ہیں۔ میں شیطان کہتا ہوں
ی گورا گورا شریر سا جو فلمی گانوں کی نقلیں بھی خوب کرتا ہے، وہی نا؟"

ہاں ہاں وہی

"تو اس نے کیا کیا؟"

اسی کو سرفراز فرمایا کل رات کی تاریکی میں مس چاندنی نے؟

یہ سنکر واقعی بڑی حیرت ہوئی، میں نے کہا

"اماں کیا کہہ رہے ہو؟"

اپنا سر، جھوٹ کہوں گا وہ بھی چاندنی کے بارے میں؟

او ہوان کارناموں کے دیکھ لینے کے بعد بھی اتنا تعلق قلب باقی ہے۔ کہ
چاندنی جان کے بارے میں جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔ لیکن یہ عجیب بات سنائی تم
نے کیا ہوا، کیسے ہوا کچھ بتاؤ تو میرے یار

ہوا یہ کہ میر صاحب اور خانصاحب شکار کو گئے تھے چمن بائی سیٹھ دوارکا داس
سے ملنے گئی تھیں۔ گھر کی کر سچین چھوکری اپنے باپ سے ملنے گئی تھی، ذرا اتفاق
کا سلسلہ تو دیکھو ــــــــ چاندنی گھر میں تھی تمھارا شیطان بھی گھر میں تھا۔
نہ جانے سالے نے کس طرح ورغلایا اور چمن بائی کے کمرے میں ــــــــ
ذرا یہ ستم ظریفی اور حسن انتخاب تو دیکھو اور بھی کوئی جگہ نہیں چمن بائی کا خاص
الخاص کمرہ ــــــــ

میں نے بات کاٹ کر کہا

ارے غضب خدا کا چمن بائی کا بہار اندر بہار اور شباب اندر شباب کمرہ ــ
مجنوں نے لوٹا کا

اب سنتے ہو یا نہیں

میں خاموش ہوگیا۔ مجنوں نے کہا

اتفاق سے باہر کا دروازہ کھلا رہ گیا ——— اور اتفاق سے کیا میرا خیال ہے یہ سارا کام بلا ارادہ بغیر پہلے سے کوئی تیاری کئے ہوئے ہوا ——— بہرحال دروازہ کھلا رہ گیا۔ چمن بائی سیٹھ دوارکاداس سے مل کر واپس آئیں اور سیدھی اپنے کمرے میں پہنچیں اور دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ سارا گھر سر پر اٹھالیا شیطان کو تو اتنا مارا کہ شاید وہ ہفتوں پلنگ سے نہ اٹھ سکے ننگا کرکے اوندھا لٹایا اور مرچوں کی دھونی دی اور چاندنی کے منہ پر بھی اتنے طمانچے لگائے کہ ہفتوں اسے لپ اسٹک اور پاؤڈر کی ضرورت نہیں پیش آئے گی سر کے بال نوچ لئے کپڑے پھاڑ ڈالے وہ کھڑی تھی دھکا دے کر زمین پر گرادیا پھر کھڑی ہوئی پھر گرادیا غرض اُسے بھی مارتے مارتے لہولہان کردیا۔

"تم کب پہنچے؟"

عین کلائمکس کے وقت جب شیطان سرنگوں کھڑا تھا چاندنی پٹ رہی تھی اور چمن بائی کے منہ سے فحش ترین گالیوں کا آبشار گر رہا تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

چاندنی کو مار پیٹ کے خود چیخ چیخ کر رونے لگیں

"یہ کیوں؟"

"مجھے کیا معلوم، روتی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھیں ہائے مجھے تباہ کردیا ہائے مجھے کہیں کا نہ رکھا"

یہ بین سنکر مجھے ہنسی آگئی۔ مجنوں نے کہا

"تم ہنس پڑے یہ کون سا موقع ہنسی کا تھا؟"

میں نے پوچھا

سیٹھ دوار کا داس کو جانتے ہو؟

نہیں جانتا

اور نواب افتخار جنگ کو

انھیں بھی نہیں جانتا

اسی لئے تو ہنس رہا ہوں ——— اجی حضرت سیٹھ صاحب اور نواب صاحب چاندنی کے پرانے عاشق ہیں اگر پہلے پہل ان کے قصر زمرد..ں میں چاندنی پہنچ جاتی تو لاکھوں کے وارے نیارے کر لیتیں —— لیکن تم چمن بائی کو نہیں جانتے یہ رونا دھونا سب وقتی ہے دیکھ لینا وہ چاندنی کو ایسا سجائے گی ایسا سنوارے گی ایسا بنائے گی کہ بالکل اچھوتی دکھنے لگے اور ان دونوں شیروں سے پوری پوری فیس دھوکا دے کر وصول کرے گی بڑی آفت کی پرکالہ ہے یہ عورت تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر میں نے پوچھا۔

یہ تو سب کچھ ہوا یہ بتاؤ تمھیں دیس نکالا کیسے ملا ؟

بہت جھنجلا کر بولے

وہ تو بہانہ ڈھونڈ رہی تھی الو کی پٹھی

"پھر بھی ؟"

اسی لڑائی جھگڑے میں رات کے دس بج گئے وہ بکے چلی جا رہی تھی۔ مجھے لگی تھی بھوک، میں نے خادمہ سے کہا کھانا لا وہ شامت کی ماری چمن بائی کے پاس پہنچی اور میری فرمائش دہرائی بس پھر کیا تھا۔ ایک قیامت آ گئی بھونچال آ گیا۔ دہاڑتی ہوئی میرے کمرے میں آئی اور کہنے لگی

"آپ کو بھوک لگی ہے؟"

"ہاں تو کیا ہوا؟"

موئے تجھے کھانا نہیں لوکا کھلاؤں گی۔ مرچ کا کہیں کا لو اور سنو ہم چاہے مریں یا جئیں نواب صاحب کے خاصے میں دیر نہ ہو، چل نکل کھانا وانا نہیں ہے یہاں، کبھی اس گھر میں قدم رکھا تو پاؤں تڑوادوں گی موا نمک حرام۔ احسان فراموش کہیں کا۔

میں نے کہا

"آپ خفا کیوں ہو رہی ہیں ؟"

"ے چل ہٹ میں کیوں خفا ہوتی خفا ہو گی تیری جرو یا ماں بہن یہاں کون تیرا بیٹھا ہوا ہے لے اب اُٹھ"۔

میں اس دیوانی کی یہ باتیں سُن کر کھڑا ہوا میں نے کہا

جاتا ہوں لیکن میرا حساب تو صاف کر دیجئے

کیسا حساب ؟

یہ لیجئے کیسا حساب ابھی آپ نے دیا کیا ہے پوری آٹھ ہزار کی رقم باقی ہے۔

کمر پر ہاتھ رکھکر طعن کرتی ہوئی بولیں

اور یہ اتنے دن جو تم نے کھایا پیا موج اڑائی یہ کس کھاتے میں جائے گا؟"

حالانکہ طے یہ ہوا تھا کہ کھانا اور خاطر تواضع انھیں کے ذمہ ہو گی۔ لیکن میں نے رفع شر کے خیال سے کہا

اسے کاٹ لیجئے میں ایک پائی بھی نہیں رکھنا چاہتا نہ آپ کا احسان لینا چاہتا ہوں۔

احسان تو تیری سات پشتوں پر ہے میرا وہ تو کیا اتارے گا لیکن چل حساب کر، لا اپنا اگریمنٹ لا، ابھی تیرا حساب چکتا کئے دیتی ہوں

اس توتکار سے خدا کی قسم خون کھول رہا تھا لیکن میں طے کر چکا تھا۔ کہ اب یہاں نہیں رہوں گا لہٰذا میں نے کہا چند منٹ اور یہ کڑوی کسیلی باتیں سُن لوں، جلدی سے میں نے اپنے بکس سے اگریمنٹ سے نکالا اور لاکر بڑھیا کو دیدیا۔

پھر حساب کر دیا اُس نے ؟

"کہاں، سنو تو"

"ابھی کچھ اور بھی ہے ؟"

"اصل قصہ تو یہی ہے ——— کیا کیا حرامزادی نے کچھ دیر تک تو اگریمنٹ الٹتی پلٹتی رہی پھر اس نے پھاڑ کے پرزے پرزے کر دیا۔

ایں، سچ تمھیں خدا کی قسم ؟

واللہ

پھر کیا ہوا ؟

میں نے کہا

آپ نے یہ کیا کیا ؟

حساب چکا دیا تیرا ے پلوسیں آٹھ ہزار روپیہ لیں گے سرکار، موا چوٹٹا کہیں کا، مقدمہ دائر کر دوں گی دھوکا بازی کا، جیل سڑے گا مہینوں، دوسرے کی کہانی چلا تھا خود بیچنے، جعلیا کہیں کا۔

میں نے دیکھا اگریمنٹ یہ پھاڑ چکی اس سے بحث و مباحثہ بیکار ہے یہاں پردیس میں کون ساتھ دے گا۔ اگریمنٹ کو قصہ ماضی سمجھکر میں نے کہا

"خیر چھوڑیئے اس قصہ کو کم از کم کرایہ تو دے دیجئے دلّی تک"

"کرایہ نہیں تجھے دہ دوں گی نکل جا یہاں سے"

میں سمجھ گیا یہ کچھ بھی نہیں دے گی، آخر وکٹوریہ کی ادر تمھارے ہاں

چلا آیا۔ جب میں چلا ہوں تو وہ چاندنی سے کہہ رہی تھی ٹھہر جا حرامزادی، دیکھ آج تیرے ساتھ کیا کرتی ہوں اگر جھبڑے کو اور تجھے رات بھر اکیلے کمرے میں بند نہ رکھا تو میرا نام چمن نہیں نکال لیجو ایک ایک حسرت اپنے دل کی رات بھر میں، حرافہ، ستر خصمی

میں چلا آیا جب سے اب تک جھبڑا میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے۔

جانتے ہو جھبڑے کو؟

بالکل نہیں

ایک نیا ملازم رکھا ہے، عمر ہو گی کوئی چالیس پچاس برس کی چیچک رو تیرہ دروں موٹا بے ہنگم ایک آنکھ سے محروم، منہ سے ہر وقت رال ٹپکتی رہتی ہے، لاحول ولا قوۃ تصور سے گھن آتی ہے۔ کیا حشر ہو گا اس کے ساتھ چاندنی کا

میں نے کہا

تم یقین بھی کر بیٹھے، ایک ماں اپنی بیٹی کو واقعی جھبڑے کے حوالے کر سکتی ہے کچھ پاگل ہوئے ہو؟

"انجان صاحب آپ نہیں جانتے یہ چمن بائی وہ عورت ہے جو ہر ناممکن کو ممکن کر سکتی ہے اس سے ہر بات ممکن ہے یہ چمن بائی ہے چمن بائی"

"کہتے ٹھیک ہو لیکن کچھ بھی ہو ایسا نہیں ہو سکتا اور یہ تو بتاؤ اب تک چاندنی کی محبت موجود ہے تمہارے دل میں؟

ذرا شرما کر بولے

ارے بھئی تو کیا ہوا غلطی جس طرح مرد سے ہو سکتی ہے عورت سے بھی ہو سکتی ہے ——— اور پھر شیطان تو بڑے بڑوں کو

مد غلا لینا ہے نہ کہ ایک نوخیز چھوکری۔

شاباش عشق صادق اسی کا نام ہے

مجنوں صاحب کو ہنسی آگئی اور میں چادر اوڑھکر لیٹ گیا نیند بہت آرہی تھی ——

اور ایک دن

رعنا میں صلاحیتیں بہت تھیں لیکن اسٹڈیو میں وہ کچھ چمک نہ سکی۔ بہار سے پہلے ہی اس پر خزاں آگئی شروع میں تو کام کا بڑا شوق تھا دن بھر اور رات رات بھر بھی اگر کام کرنا پڑتا تو وہ خوشی سے کرتی تھکنے کا نام بھی نہ لیتی۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا کچھ توانائی اور تازگی بڑھ گئی ہے لیکن رفتہ رفتہ وہ کام سے جی چرانے لگی، غیر حاضری کرنے لگی اسٹڈیو میں حتی الامکان بہت کم آتی اور آنے کے بعد جلد سے جلد جانے کی کوشش کرتی سیٹ پر آتی تو بجھی بجھی سی گھبرائی ہوئی وحشت زدہ، صاف معلوم ہوتا تھا محض تنخواہ کی کشش سے مجبور ہو کر آئی ہے ورنہ کام میں جی نہیں لگتا وہ اپنے دن اور رات کا بیشتر حصہ قاسم کے ساتھ گزارتی تھی اب قاسم نے اسی کے ہاں مستقل طور سے بود و باش بھی اختیار کر لی تھی۔ وہ فلم لائن میں صرف اپنی صورت کے برتے پر آیا تھا نہ گانا جانتا تھا نہ اداکاری معمولی ایکٹرسیں اس پر متوجہ رہتی تھیں اور وہ ان کے التفات سے حتی الامکان فوراً فائدہ اٹھاتا تھا۔ اب تک اُسے رعنا کی ایسی کوئی عورت نہیں ملی تھی وہ اپنی ساری کمائی قاسم کے ہاتھ پر لا کر رکھ دیتی تھی وہ ٹھاٹھ سے شراب پیتا تھا۔ رنڈی بازی کرتا تھا، موج اڑاتا تھا اور رعنا کو حسب موقع نوازتا رہتا تھا وہ قاسم پر ایسی ریجھ گئی تھی کہ ساری دنیا کو فراموش کر بیٹھی تھی نہ ماں کی طرف متوجہ تھی نہ گل رخ کی طرف اس کی

ساری کائنات سمٹ سمٹا کر قاسم کے میں سما گئی تھی۔

رعنا کے یہ رنگ دیکھ کر میں بھی کچھ الگ تھلگ سا رہنے لگا تھا لیکن چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا اب بھی کبھی کبھی رعنا کے یہاں چلا جایا کرتا تھا وہ اب پہلے سے تپاک اور گرم جوشی سے نہیں ملتی تھی پھر بھی ظاہر داری کا جہاں تک تعلق ہے اچھی طرح پیش آتی تھی۔

ایک روز میں شام کے وقت رعنا کے ہاں پہنچا وہ موجود نہیں تھی گل رخ ایک گوشہ میں خاموش بیٹھی تھی۔ اس کی ماں کلثوم چھالیہ کتر رہی تھی وہ بھی خاموش تھی میں نے پوچھا

"رعنا نہیں ہیں؟"

گل رخ نے کہا

سینما گئیں

اور اُس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں میں نے پیار سے پوچھا

تمھیں نہیں لے گئیں؟

جب سے قاسم بھیا کے ساتھ رہنے لگی ہیں مجھے کبھی بھی نہیں لے جاتیں

میں نے اسے دلاسا دیا اور کہا

تم روؤ نہیں ہمارے ساتھ چلنا ہم لے چلیں گے تمھیں

وہ بہل گئی اب ماں کی باری تھی آنکھوں میں آنسو بھر کر بھرائی ہوئی آواز میں بولیں —

بیٹا میں تو یہ سمجھتی ہوں رعنا مر گئی

میں نے گھبرا کر پوچھا

توبہ توبہ ایسا نہ کہیے، یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں

جیسے بند ٹوٹ گیا، باقاعدہ رونے لگیں

دکھے ہوئے دل کو اور مت دکھاؤ بیٹا وہ میری کوکھ سے پیدا ہوئی
میں نے اس کے لئے کیا نہیں کیا، لیکن اب وہ میری نہیں رہی، ایک لٹیرا
آیا مجھے لوٹ کر میری بچی کو چھین لے گیا۔

میں نے پوچھا

قاسم؟

روتے روتے بولیں

اور کون، خدا کرے ہیضہ ہو کمینہ کو

آپ تو بہت خفا نظر آتی ہیں

بیٹا ذرا کلیجہ پر ہاتھ رکھو اور انصاف سے کہو تم میری جگہ ہوتے تو
کیا کرتے؟

میں خاموش ہو گیا وہ بھی چپ ہو گئیں ایک پان بنا کر دیا اور کہنے لگیں

اس گل رُخ کو دیکھو معلوم ہوتا ہے مہینوں کی بیمار ہے

ہاں، کیا بات ہے

بات کچھ نہیں ہے وہی بہن کا غم یا تو ہر وقت چھوٹی بہن کی کنگھی چوٹی کی
جاتی تھی چاؤ چونچلے ہوتے تھے اب بات بھی نہیں پوچھی جاتی

یہی تو پوچھتا ہوں آخر کیوں، یہ انقلاب کیسے ہو گیا؟

بھیا انجان نہ بنو ——— یہ سارا کیا دھرا تمھارا ہے۔

میرا —؟

ہاں صرف تمھارا ——— نہ تم اس مال زادی چھیل چھبیلی کو کہنیں
ہیں رکھاتے نہ اس کی قاسم سے آنکھ لڑتی نہ وہ جادوگر میری بچی کو مجھ سے چھینتا

لیکن وہ تو آپ ہی کے ہاں رہتا ہے چھین کر کہاں لے گیا؟

ہاں میرے ہاں رہتا ہے، تر نوالہ کھاتا ہے اچھے سے اچھا پہنتا ہے اور عنا کی ساری تنخواہ جیب میں ڈال کر موج اڑاتا ہے

واقعی، لیکن ایسا کیوں ہونے دیتی ہیں آپ

یہ لو نہ ہونے دوں تو کیا کروں ——— صاحبزادی نے تو صاف کہہ دیا ہے میرے اور قاسم کے معاملہ میں الجھو گی تو میں یہ گھر چھوڑ دوں گی ——— وہ گھر چھوڑ دے گی تو میں کیا کروں گی۔ یہ گل رُخ کیا کرے گی۔ ننھی سی کلی ابھی تو وہ کسی قابل بھی نہیں ہے، یہ ناز نخرے اٹھاتے ہیں تو روکھی سوکھی کھانے کو اور موٹا جھوٹا پہننے کو مل تو جاتا ہے۔

پھر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور خاموش ہو گئیں میں بھی چپ بیٹھا رہا گل رخ پر بھی مردنی چھائی ہوئی تھی کچھ دیر کے بعد کہنے لگیں۔

لیکن اب ان باتوں سے ہوتا کیا ہے جو ہونا تھا وہ ہو گیا

میں نے کہا

میں سمجھا نہیں کیا ہو گیا

فرمایا

آج زیادہ خفا ہو گئیں ـــ خلاف شان کوئی لفظ نکل گیا ہوگا۔ مجھ نصیبوں جلی کے منہ سے بس اللہ دے اور بندہ لے خوب خفا ہوئیں اپنے دھگڑے قاسم کو بلایا اور حکم دیا مکان ڈھونڈو، دونوں مکان ڈھونڈنے گئے ہیں۔ لیکن میں نے بھی طے کر لیا ہے اب روکوں گی نہیں جاتے ہیں جائیں یہ روز روز کی دانتا کلکل تو ختم ہو کسی طرح

گل رخ رونے لگی

میں تو نہیں جانے دوں گی ——— میں بھی ان کے ساتھ چلی جاؤں گی

خفا ہو کر بولیں

اے چپ چھوکری. بہن تو تھوکتی بھی نہیں اور یہ اُس کے ساتھ جائیں گی

لے جائے تو چلی جانا ' میں کچھ روکتی ہوں.

گلُ رخ چپ ہو گئی میں نے پوچھا

لیکن اس وقت تو سینما گئی ہیں۔

ہاں پہلے مکان دیکھیں گی پھر سینما جائیں گی یہی طے ہوا ہے دونوں میں

اس گفتگو کے بعد تھوڑی دیر بیٹھ کر میں واپس چلا آیا۔ دوسرے دن اسٹو یہ سوچ کر گیا کہ آج رعنا کو خوب جھاڑوں گا غضب خدا کا ماں اور بہن تک کو تجے دے رہی ہے قاسم پر، اور قاسم سے ملاقات ہوئی تو اسے بھی سمجھا دوں گا کہ اتنا ظلم تو نہ کرے کہ ماں اور بیٹی میں جدائی کرا دے۔ لیکن دل کی دل ہی میں رہ گئی نہ قاسم آیا نہ رعنا۔ دن کسی طرح کاٹا اور رات کو پھر باندرہ پہنچا کہ دیکھوں کوئی تازہ خبر لیکن وہاں جاکر عجیب منظر دیکھا، سارا گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا ایک سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔ سارے گھر پر، گلُ رخ کی آنکھیں روتے روتے سوج گئی تھیں۔ بڑی بی کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کا دریا جاری تھا۔ رعنا کا کمرہ ویران اور سنسان پڑا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی گل رخ شدت سے رونے لگی اور کلثوم بی بھی۔ میں نے پوچھا۔

کیا ہوا کیوں رو رہی ہیں آپ۔؟

وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولیں

وہی ہوا جو میں نے کل تم سے کہا تھا

رعنا چلی گئی ؟

ہاں — !

اس گھر کو چھوڑ دیا اس نے ؟

ہاں —

نہ آپ کا خیال کیا نہ گل رخ کا ؟

نہیں

لیکن کہاں — ؟

کیا معلوم سنا ہے ا ہم یں کوئی چھوٹا سا بنگلہ لیا ہے دونوں نے ۔

گل رخ پھر رونے لگی

مجھ سے بات بھی نہیں کی

ماں نے ڈانٹا

چپ مردار اگر آنسو ے بہائے ں گے تو اتنا ماروں گی عمر بھر یاد کرے گی اور سنو آنسو بہائے جا رہے ہیں اس نمک حرام بیسوا کے سوگ میں میرے گھر ں اب اس کا نام بھی نہیں لے سکتا کوئی ۔

گل رخ سہم کر چپ ہو گئی میں نے کہا

ابھی بچہ ہے ان باتوں کو کیا جانے

یہ نہ کہو میاں محبت کی آنکھ اور نفرت کی نگاہ کو بچے ہم سے زیادہ سمجھتے ں —

میں نے سوال کیا

پھر اب کیا ہو گا ؟

ہو گیا جو ہونا تھا

وہ تو ہو گیا لیکن آپ کیا کریں گی

میں کس قابل ہوں بیٹیا کیا کروں گی۔ ؟

میرا مطلب یہ کہ گھر کیسے چلے گا کچھ وعدہ کیا ہے رعنا نے آپ کو ماہ بماہ دینے کا۔

توبہ کرو بھیا وہ ایسی ہوتی تو جاتی کیوں یہاں سے، اور میں فاقے سے مر جاؤں لیکن اس سے ایک پائی نہ لوں آخر غیرت بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے؟

کیوں نہیں ہوتی لیکن سوال یہ ہے پھر ہوگا کیا؟

اللہ مالک ہے

آپ فکر مند نہ ہوں میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں

جیتے رہو بیٹا۔ لیکن جب اپنی لڑکی اپنی نہ ہوئی تو تم کہاں تک ساتھ دے سکو گے تم نے اتنا کہہ دیا یہی بہت ہے

اس تکلف کے جواب میں میں کچھ کہنے والا تھا کہ وہ بولیں

رعنا کے جانے کے بعد وہ سیلا تر آیا تھا اسے سب کچھ خبر ہو گئی ہے بیچارہ بڑی دیر تک افسوس کرتا رہا پھر کہنے لگا کسی فلم کمپنی میں کوئی ایسی کچھ بن رہی ہے جس میں اللہ رکھے گل رُخ کی آنی لڑکی کا کام ہے کل اسے دکھانے لے جاؤں گا اگر پسند آ گئی تو کچھ مل جائے گا ——— چاہے جتنا کم ملے۔ ہمارے لئے بہت ہے ہم دال روٹی میں مگن رہ سکتے ہیں۔ نان قلیہ نہیں چاہئے

میں نے کہا

یہ آپ کیا غضب کر رہی ہیں ؟

کیا ہوا بیٹیا

گل رخ کو بھی ———

تو کیا ہوا گل رخ تو ابھی بچہ ہے بد راہ نہیں ہو سکتی، اس میں تو کوئی خطرہ

کی بات نہیں

یہ تو صحیح ہے لیکن ـــــ

لیکن دیکھیے کچھ نہیں گل رخ کی اتنی بہت سی لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ ور پھر آخر کیوں کیا پیٹ کا جہنم بھی تو کسی طرح بھرنا ہے۔

لیکن اس طرح ؟

پھر کس طرح بتاؤ کوئی ترکیب ؟

فی الحال کوئی ترکیب تو میں نہیں بتا سکتا البتہ میں حاضر ہوں ہر خدمت کے لئے

وہ تنک کر بولیں

کہہ تو دیا بیٹا میں کسی کے سہارے نہیں رہنا چاہتی تم ترس کھا کر ایک دفعہ ددکر دوگے دو دفعہ کر دو گے لیکن کب تک یہ تو زندگی بھر کا سوال ہے۔

کلثوم بی کی باتیں معقول تھیں۔ واقعی ایک غیر آدمی کب تک اور کہاں تک مدد کر سکتا ہے میں خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولیں

خفا نہ ہونا بیٹا

آپ بھی کیا بات کرتی ہیں خفا کیوں ہوں گا آپ نے جو کچھ کہا سچ کہا میں نے گفتگو کا رُخ پھر رعنا کی طرف موڑا

یہ جو کچھ ہوا اچھا نہیں ہوا میری رعنا سے ملاقات ہوگی تو بہت پھٹکارونگا

اے بھیا اس بھول میں نہ رہنا۔

بھول کیسی ؟

اب رعنا وہ رعنا نہیں ہے جو کچھ عرصہ پہلے تھی اب وہ بدل چکی ہے جب اس نے اپنی سگی ماں اور سگی بہن کا خیال نہیں کیا تو تمھارا کیا کرے گی

عزت کی خیر چاہتے ہو تو چپ ہی رہو کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں وہ اس منزل سے بہت کچھ آگے نکل چکی ہے اسے کوئی نہیں سمجھا سکتا جب تک یہ جھاڑو پیٹا قاسم زندہ ہے رعنا ہمیں واپس نہیں مل سکتی، ہم نے بھی سمجھ لیا وہ مرگئی فاتحہ پڑھکر رو دھو کر چپ ہو رہے۔

ان سراپا درد باتوں سے جی تو بہت کڑھا" لیکن کیا کر سکتا تھا خاموش ہو رہا بڑی بی پر ترس آرہا تھا اور گل رخ کے لئے دل تڑپ رہا تھا۔ اُسے رعنا کی جدائی کا بڑا صدمہ تھا۔

ی کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا یا اور کہا

گھر کے اندر

عارفہ بیگم رتنا گیری ایسی گئیں کہ آنے کا نام ہی نہیں لیا، کبھی کبھی مجھے خط لکھتی رہتی تھیں اور مظفر کی خیریت دریافت کرلیتی تھیں جہاں تک مجھے معلوم ہے انھوں نے شوہر کو ایک خط بھی جانے کے بعد نہیں لکھا نہ شوہر کو خدا نے یہ توفیق دی وہ ریحانہ کے ساتھ رنگ رلیوں میں مصروف تھے بہت خوش تھے خوشی اس بات کی زیادہ تھی کہ عارفہ کا کانٹا بغیر کسی ہنگامہ کے راستہ سے ہٹ گیا اور اب وہ بے غل وغش ریحانہ کے ساتھ عیش و تعیش کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

ریحانہ اور محمود کے تعلقات بحیثیت بیوی اور شوہر کے بدستور قائم تھے۔ لیکن ان میں بھی اب خلا پیدا ہوتا جارہا تھا۔ یعنی حضرت محمود اپنی اہلیہ محترمہ سے کچھ کھٹکنے سے لگے تھے کچھ کچھ خفا بھی تھے۔ لیکن وہ اس منزل سے بہت آگے گذر چکی تھی اسے ان باتوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی ایک روز دونوں میں پخ بھی چل گئی، ہوا یہ کہ مظفر کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا۔ اس وقت گھر میں صرف میاں بیوی یعنی ریحانہ اور محمود تھے۔ محمود نے رات کے کھانے کے بعد ریحانہ سے کہا

بیٹھو تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔

وہ اٹھتے اٹھتے بولی

عزت کی خیر چاہتے ہو تو چپ ... میں ذرا باہر جا رہی ہوں، پروگرام ہے سمندر پا

منزل سے ۔بہت کچھ آ گ

تک یہ جھاڑ

جل کر بولا ۔

جب دیکھو جب پروگرام جب دیکھو جب مصروفیت آخر میرے لیے

بھی کوئی وقت ہے تمھارے پاس ؟

وہ مسکرانے لگی، لیکن محمود جل گیا

اس وقت مظفر بھی نہیں ہے پھر کس کے ساتھ جاؤ گی ؟

ریحانہ بھڑک اٹھی اس نے بیٹھتے ہوئے کہا

کیا میں اکیلی نہیں جا سکتی ؟

طنز کرتے ہوئے محمود نے جواب دیا

بس، یا اکیلی یا مظفر کے ساتھ اس کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں

آپ کا مطلب کیا ہے ؟

وہ تو ظاہر ہے

یعنی میں آپ کے ساتھ کیوں نہیں جاتی کہتیں ؟

یہ مطلب ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا

آپ تو پہیلیاں بجھوانے لگے۔

یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ بحیثیت شوہر کے میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم نے

مجھ سے ترک تعلق کیوں کر رکھا ہے اور بحیثیت خود دار شوہر کے میں یہ پوچھنا بھی

نہیں چاہتا ۔"

خوب کبھی پوچھ بھی سکتے ہیں اور پوچھنا بھی نہیں چاہتے یہاں کس کی پڑی

غرض پڑی ہے کہ بیٹھ کر باتیں بنائے ۔

ریحانہ جانے کے لئے اٹھی محمود نے سختی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا یا اور کہا
تم نہیں جا سکتیں
کیوں ؟
آج میں فیصلہ کر لینا چاہتا ہوں
فیصلہ، کیسا فیصلہ ؟
اپنا اور تمھارا، ہمارے اور تمھارے تعلقات کس طرح کے رہیں گے
رہیں گے بھی یا نہیں ؟
اگر میں کہوں نہیں، تو ؟
تو میں تمھیں طلاق دے دوں گا
مجھے کوئی اعتراض نہیں
محمود چونک پڑا اس نے دراننند آواز میں پوچھا
تمھیں کوئی اعتراض نہیں ؟
بالکل نہیں !
طلاق دے دوں ؟
دے دیجئے بیٹھی اسی لئے ہوں
کچھ دیر تک محمود پر سکتہ سا چھایا رہا اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا زمین پھٹ جائے گی اور وہ سما جائے گا اس کے چہرے پر خون جھلک آیا تھا اس کی کنپٹی سرخ ہو رہی تھی بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پا کر اس نے کہا
تم سچ کہہ رہی ہو ریحانہ ؟
وہ آنکھ سے آنکھ ملائے بغیر بولی۔

جھوٹ کیوں بولوں گی ؟
اپنے ماں باپ کو کیا جواب دو گی
یہ تو میرا کام ہے دے لوں گی آپ کیوں فکر کرتے ہیں ؟
میں اپنے گھر میں کیا منہ دکھاؤں گا ؟
یہ آپ جانیئے۔
دنیا کیا کہے گی ۔ ؟
ہم بھی دنیا کو بہت کچھ کہتے رہتے ہیں دنیا ہماری پرواہ نہیں کرتی ہم دنیا کی کیوں پرواہ کریں ؟
تو یہ تمھارا فیصلہ ہے ؟
فیصلہ تو آپ کا ہے میں تو بغیر اس کے بھی چلنے دیتی، اب آپ کہہ رہے ہیں تو میں بھی بضد ہوں کہ یہ ہوجانا چاہئے۔
اس کے بعد کیا کرو گی ؟
جواب کر رہی ہوں
شادی کرو گی کسی سے
ممکن بھی ہے اور نہیں بھی
وہ مسکرادی اور پھر فوراً سنجیدہ بن گئی، محمود کو جلال آگیا
تم مذاق کر رہی ہو ؟
ہرگز نہیں آپ طلاق دیجئے مجھے ۔
تاکہ تم مظفر کے ساتھ گلچھرے اڑاؤ ؟
وہ تو میں اب بھی اڑاتی ہوں۔
آوارہ ۔ بدمعاش ۔ کمینی

ریحانہ کو بھی غصہ آگیا اس نے کہا

زبان سنبھال کر بات کرو محمود

پہلے اپنے آپ کو سنبھالو۔

میں یہ باتیں نہیں سن سکتی کان کھول کے سن لو میری تمہاری نہیں بن سکتی، میرے تمہارے درمیان میاں بیوی کے تعلقات نہیں قائم رہ سکتے ہم دونوں کو الگ ہو جانا چاہئے۔؟

وہ بپھر کر بولی

اس لئے کہ میرا راستہ اور ہے تمہارا اور۔ اور ہم دونوں دوست بن کر رہ سکتے ہیں میاں بیوی بن کر نہیں۔

محمود کو پھر غصہ آگیا

لیکن اگر میں طلاق نہ دوں۔

تو میں مجبور کروں گی تمھیں

کاہے پر، طلاق دینے پر؟

ہاں

مردانہ تہور سے کام لے کر اس نے کہا

دنیا کی کوئی طاقت مجھے مجبور نہیں کر سکتی

باتیں نہ بناؤ محمود، تم خود ہاتھ جوڑتے ہوئے میرے پاس آؤ گے طلاق دینے کے لئے جب دنیا تمہارے منہ پر تھوکے گی، پیٹھ پیچھے تو اب بھی تھوکتی ہوگی، ہوگی کیا، ہے۔

محمود ان تیوروں کی تاب نہ لا سکا وہ پھر صلح پر مائل ہو گیا۔ اس نے کہا۔

آج تمھیں کیا ہو گیا ہے ریحانہ؟

وہ خفا ہوکر بولی

جنون !

ملائمت کے ساتھ محمود نے کہا

واقعی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے

ریحانہ نے ابھی کوئی جواب نہ دیا تھا کہ مظفر آگیا اس کے آتے ہی

دونوں چپ ہوگئے۔ مظفر نے ریحانہ کو پیار کی نظروں سے دیکھا اور پوچھا

ارے تم سندر بائی ہال نہیں گئیں ؟

وہ بولی

نہیں

اس نے پیار بھرے لہجہ میں پوچھا

کیوں بھلا ؟

تماشہ یہیں گھر میں ہونے لگا اس لئے نہیں گئی۔

محمود کو یقین ہوگیا اب یہ ایک ایک بات ابھی دہرا دے گی اور فی الحال

اس معاملہ کو وہ بہت زیادہ طول نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس لئے ریحانہ سے کہا

کیوں خواہ مخواہ کی باتیں کرتی ہو

ریحانہ نے بگڑ کر کہا

ان باتوں سے کام نہیں چلے گا اب تو وہ ہوگا جو کچھ ہونا ہے۔

مظفر نے بیچ بچاؤ کراتے ہوئے کہا

ارے بھئی ہوا کیا ؟ کچھ کھٹ پٹ ہوگئی دونوں میں کیا

ریحانہ نے طنز بھرے تبسم سے کہا

جی نہیں کھٹ پٹ نہیں فیصلہ ـــــــ محمود صاحب نے اللہ دیکھ

آج مجھے طلاق دینے کا ارادہ کیا ہے۔ لیکن ہچکچا رہے ہیں۔
ان باتوں کے لئے مظفر بھی نیا نہیں تھا وہ بھی سٹ پٹا گیا۔ اس نے کہا۔
کیا کہہ رہی ہو ریحانہ ؟
پوچھ لیجئے ان سے سامنے تو بیٹھے ہیں۔
وہ محمود سے مخاطب ہوا
کیوں محمود ؟
اب محمود کو بھی بولنا پڑا
کہہ تو رہی ہیں۔
یعنی جو کچھ کہا جا رہا ہے سچ ہے ؟
ہاں سچ ہی ہے۔
اتنا بڑا فیصلہ یہ کیوں ؟
محمود نے سوچا اب بات آن پڑی ہے تو کھل کر کر لینی چاہیئے۔
اور اس کے سوا چارہ کار بھی کیا ہے ؟
کیوں بات اتنی کیوں بڑھ گئی ؟
بات بڑھی نہیں اب ہمارے حالات کا کچھ تقاضہ ہی یہی ہے۔
اسی کے بارے میں تو پوچھتا ہوں کیوں ؟
یہ اپنا راستہ بدل نہیں سکتیں، میں اسے گوارا نہیں کر سکتا، پھر کیا کیا جائے
ریحانہ بولی
ہاں ٹھیک ہے میں اپنا راستہ نہیں بدل سکتی ــــــــ صاف صاف کہتی ہوں میں مظفر کو نہیں چھوڑ سکتی تم جلتے ہو ان سے۔
محمود نے لاجواب ہو کر پوچھا

لیکن مظفر تمھارے کون ہیں ؟

وہ بیباکی سے .بولی

سب کچھ، وہ سب کچھ جو وہ ہو سکتے ہیں

مظفر نے ذرا برہمی کے ساتھ پوچھا

لیکن میرا ذکر کیوں آگیا بیچ میں ؟

محمود نے کہا

جو کچھ دیکھتا ہوں وہ زبان پر نہ آئے ؟

وہ اور بگڑا

کیا دیکھتے ہو ؟

محمود سے اب ضبط نہ ہو سکا

وہ دیکھتا ہوں جو آنکھیں بند کرنے کے بعد بھی دکھائی دیتا ہے .بس چاہتا ہوں نہ دیکھوں بیس لئے بارہا آنکھیں بند کر کرلیں پھر بھی جسے دیکھنے سے باز نہ آسکا۔

ریحانہ بولی

اور کیا

محمود نے بدستور مظفر سے خطاب کرتے ہوئے کہا

تم میرے دوست تھے ریحانہ میری بیوی تھی دونوں پر مجھے اعتماد تھا دونوں سے مجھے چاہ تھی۔ لیکن میری چاہ کا نتیجہ کیا نکلا؟ میرے اعتماد کا حشر کیا ہوا

ریحانہ پٹ سے بولی

وہی جو ہونا چاہیئے تھا۔

محمود نے ذرا خفا ہو کر کہا

یہ نہ کہو، یہ کہو وہ جو نہیں ہونا چاہئے تھا ——— میں نے تم سے

شادی اس لئے نہیں کی تھی کہ تمھیں کھو دوں میں نے مظفر سے ناتہ اس لئے نہیں جوڑا تھا کہ وہ ڈاکو بن جائے مجھے تم پر غیر متزلزل اعتماد تھا، مظفر پر اندھا بھروسہ تھا۔ لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں غلطی میری تھی اس دنیا میں صرف اعتماد سے کام نہیں چلا کرتا احتیاط بھی ضروری ہے۔ میں نے اعتماد کیا احتیاط کو نظر انداز کر گیا۔

مظفر نے کہا

تم کیسی بے سروپا باتیں کر رہے ہو محمود؟

محمود نے جواب دیا

ٹھیک کہتے ہو میں بے سروپا باتیں کر رہا ہوں لیکن اگر میری جگہ تم ہوتے تمھاری جگہ میں ہوتا تو شاید تمھارا رویہ میرے رویہ سے بالکل مختلف ہوتا کم از کم تم اتنے ضبط و تحمل کا ثبوت نہ دیتے جتنا میں دے رہا ہوں۔

"غلط کہتے ہو محمود تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔

سچ کہتے ہو میں غلط سمجھ رہا ہوں میرے کان جھوٹے ہیں میری آنکھیں اندھی ہیں، میں خود جھوٹا ہوں

پھر وہ ایک جذبہ کے عالم میں بولا

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ تم ریحانہ کے ساتھ دن رات مٹر گشت کرتے ہو، کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ تم اور ریحانہ لوگوں میں کافی سے زیادہ رسوا ہو چکے ہو، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ تم دونوں کے تعلقات پر لوگ ہنستے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں، کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم دونوں کے ناجائز تعلقات خلوت کدہ سے نکل کر چوراہے پر رسوا ہو چکے ہیں ——

مظفر نے زور سے آواز دی

محمود ۔ ؟

اس نے بھی بگڑ کر جواب دیا

ہاں ——— میں نے بھی کوئی بات غلط نہیں کہی جو کچھ کہہ چکا ہوں اسے پھر دہراتا ہوں

تم پاگل ہو، جھوٹے ہو

مجھے پاگل کہہ سکتے ہو لیکن جھوٹا نہیں کہہ سکتے میں سچا ہوں اور اپنی سچائی پر مجھے اصرار ہے۔

سوچو تم کیا کہہ رہے ہو

اسی سوچ میں اتنے دن خاموش رہا لیکن اب خاموش نہیں رہ سکتا پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے اب اگر خاموش رہوں گا تو دیوانہ ہو جاؤں گا۔

ریحانہ پھر اٹھلا کر بولی

بڑے ہوشیار

محمود نے ریحانہ پر ایک نگاہ غلط انداز ڈال کر کہا

تمھارے سامنے ہوشیاری کا دعویٰ کون کر سکتا ہے

جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

ہوشیار تو تم ہو کہ مجھے بھی بیوقوف بنایا اور مظفر کو بھی پھانس لیا

ریحانہ بگڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی

محمود زبان روکو

وہ بپھر کر بولا

میری زبان آج کھلی ہے اور اسے اب کوئی نہیں روک سکتا

میں اپنی توہین نہیں برداشت کر سکتی۔

تمھاری توہین تو یہاں گھر میں ہو رہی ہے تم نے تو مجھے کوچہ و بازار میں رسوا کردیا ہے۔ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھا اس کا بھی خیال ہے کچھ ؟

جھوٹ !

جھوٹے پر خدا کی لعنت

مظفر نے کہا

آخر تم لڑائی پر کیوں تیار رہو آج تمھیں کیا ہو گیا ہے ؟

کہہ تو رہا ہوں جنون ہو گیا ہے مجھے۔ بیوی میری ہے، بغل تمھاری گرم کرتی ہے، نکاح مجھ سے ہوا ہے شوہر تم بنے ہوئے ہو، زندگی بھر کا پیمان وفا میرے ساتھ بندھا تھا لیکن دن کی رنگینیاں اور رات کی نشاط انگیزیاں تمھارے ساتھ صرف ہوتی ہیں میں سب کچھ تھا کچھ نہ رہ گیا تم کچھ نہ تھے سب کچھ بن گئے۔

مظفر نے جھنجلا کر کہا

اب تم سے صاف صاف گفتگو کرنی پڑے گی۔

ضرور کرو میں بھی یہی چاہتا ہوں

میرا سوال یہ ہے کہ تم اتنے تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہونے کے باوجود اتنے رجعت پسند اور قدامت پرست کیوں ہو ؟

کیا مطلب میں نہیں سمجھا؟

محبت کی جاتی ہے یا کرائی جاتی ہے

کی جاتی ہے

نباہ زبردستی ہوتا ہے یا رضاکارانہ ؟

رضاکارانہ

قائم رہو گے اپنی بات پر؟

ضرور رہوں گا

پھر تمھیں واقعی ریحانہ کو طلاق دے دینا چاہیئے وہ تم سے محبت نہیں کرتی وہ تمھارے ساتھ نباہ نہیں کر سکتی وہ تمھارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، تمھارے اس کے مزاج میں، عادتوں میں، طبیعت میں ہر چیز میں اختلاف ہے سخت اختلاف ہے

برا تو نہ مانو گے اگر ایک بات کہوں

ہرگز نہیں کہو

تم عارفہ کو طلاق کیوں نہیں دیدیتے؟

مظفر نے بغیر کسی جھجک کے کہا

اگر وہ چاہے تو میں دے دوں گا ایک لمحہ کے لئے بھی تامل نہیں کروں گا۔

تم ایسا کر سکتے ہو میں نہیں کر سکتا

یعنی ریحانہ کو نہیں چھوڑو گے

نہیں کسی قیمت پر نہیں

ریحانہ جھلا کر بولی

ارے ارے

وہ بھی جھلا کر بولا

ارے ارے کیا نہیں دیتا طلاق

کیوں ابھی تو تیار تھے؟

تھا لیکن اب نہیں ہوں

وہی تو پوچھتی ہوں کیوں؟

میری مرضی

چل چلکی یہ مرضی کوئی کسی کو زبردستی اپنے ساتھ باندھکر نہیں رکھ سکتا میں بھی نہیں رکھتا میں نے تمھیں پوری آزادی دے رکھی ہے جب تک چاہو مظفر کے ساتھ رہو تم دونوں میں سے جس کا جی بھر جائے تو کسی دوسرے کو تلاش کرلے۔

مظفر نے کہا

میرا نام نہ لو بیچ میں محمود

نام سے اتنا گھبراتے ہو کام سے نہیں شرماتے اتنے ہی باعزت ہو تو ریحانہ کے ساتھ کیوں رہتے ہو کیوں نہیں قطع تعلق کر لیتے؟

ریحانہ کوئی بچہ نہیں ہے، وہ اپنا برا بھلا سمجھتی ہے میں اس پر جبر نہیں کرسکتا تم اس پر جبر نہیں کرسکتے کوئی کسی پر جبر نہیں کرسکتا

مانتا ہوں لیکن دنیا کا کوئی اخلاق کوئی ضابطہ بھی اسے گوارا نہیں کر سکتا کہ دوسروں کی بیویاں اغوائی جائیں ان کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کئے جائیں۔ انھیں گمراہ کیا جائے ——— تم قانون نہیں جانتے، میں جانتا ہوں، دو برس تک لا کالج میں بھی جھک مار چکا ہوں۔ اگر چاہوں تو تم پر مقدمہ چلا سکتا ہوں تمھیں سزا ہو سکتی ہے تم ذلیل ہو کر جیل جاؤ گے—

ریحانہ کچھ سہم سی گئی لیکن مظفر نے تیوری پر بل ڈال کر کہا

یہ دھونس کسی اور کو دینا، میں تمھیں دعوت دیتا ہوں کہ مقدمہ کرو، جب عدالت کے کٹہرے میں میرا وکیل تم پر جرح کرے گا اور گفتنی ناگفتنی باتیں پوچھے گا تو خودکشی کر لو گے وہیں، لیکن میں نے غلطی کی، خودکشی تو غیرت مند لوگ کرتے ہیں بے حیا نہیں کرتے، خیر کوئی مضائقہ نہیں مقدمہ کرو مجھے بھی لطف آئے گا

اور پبلک کو بھی اور اخبارات کو بھی درجنوں اخبارات کے رپورٹر میرے دردا
کا روز طواف کیا کرتے ہیں ایسی چٹ پٹی کارروائی مقدمہ کی شائع کروں گا کہ
تم بھی یاد کروگے عمر بھر۔

ریحانہ کا چہرہ چمک رہا تھا محمود کے چہرے پر مردنی چھا گئی اور منظفر
کہہ رہا تھا۔

کیجئے کب تک ارادہ ہے مقدمہ دائر کرنے کا جناب؟

محمود نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ریحانہ نے ٹوکا

اب بولتے کیوں نہیں ؟

کیا بولوں ؟

کیا پوچھ رہے ہیں وہ ؟

وہ کی بچی ——

اور آئین تہذیب کو بالائے طاق رکھکر محمود ریحانہ پر جھپٹا منظفر بیچ میں آگیا

خبردار ——

محمود نے منظفر کو دھکا دیا اور آگے بڑھا

ہٹو ——

منظفر نے محمود کو پکڑ لیا

تم آگے نہیں بڑھ سکتے ایک عورت پر ہاتھ اٹھاتے تمھیں شرم نہیں آتی

بے شرموں پر ہاتھ اٹھاتے میں ذرا نہیں شرماتا

تمھارا مجرم میں ہوں لڑنا چاہتے ہو تو مجھ سے لڑو —— میں ہر طرح
کی لڑائی لڑ سکتا ہوں ہاتھ پاؤں کی بھی، کاغذ کی بھی اور عدالت وقانون کی بھی
محمود ہانپتا ہوا پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔ ریحانہ بھی بیٹھ گئی اور منظفر بھی، کچھ دیر

یک سناٹا ساچھایا رہا سب خاموش تھے۔ پھر محمود کی آواز گونجی وہ ریحانہ سے کہہ رہا تھا۔

تم چاہتی ہو میں طلاق دے دوں تمھیں ؟

ہاں

میں تمھیں طلاق دیتا ہوں۔

تین دفعہ اس نے یہی الفاظ دہرائے پھر منظفر سے کہا

کہئے اب ہوئے آپ خوش۔

منظفر نے مسکراہٹ کو چھپاتے ہوئے کہا

بالکل نہیں

ریحانہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ لیکن وہ ہونٹوں کو دانتوں تلے دباتے ہوئے اسے روک رہی تھی

محمود اٹھ کھڑا ہوا اُس نے کہا

اب اس گھر میں رہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔

منظفر نے کہا

لیکن اگر تم رہو تو مجھے کوئی اعتراض بھی نہیں۔

شکریہ

وہ اپنے کمرے میں جاکر سامان باندھنے لگا، منظفر اور ریحانہ بدستور اپنی جگہ بیٹھے رہے تھوڑی دیر میں اس نے گھنٹی بجائی ملازم آیا۔ اس سے ٹیکسی لانے کو کہا وہ ٹیکسی لینے چلا گیا تو منظفر محمود کے کمرے میں پہنچا۔ محمود نے نگاہ اٹھا کر اُسے دیکھا اور خاموش ہوگیا۔

منظفر نے کہا

محمود ؟
فرمایئے
جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اور جو کچھ ہوا سچ کہتا ہوں مجھے اس کا افسوس ہے ہو گا آگے کہئے
دیکھو محمود خفا نہ ہو' بے شک تم دونوں میاں بیوی تھے لیکن نبھا نہ سکے۔ عقلمندانہ اور شریفانہ چارہ کار یہی تھا کہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے' ہو گئے' اچھا ہوا لیکن میں اور تم دوست تھے اور ہیں اب بھی دوست ہی رہنا چاہیئے۔
یہ ہو سکتا تھا اگر میں منافق ہوتا
یہ نہ کہو یہ کہو اگر تم عقلمند ہوتے
محمود کو پھر غصہ آ گیا اس نے کہا
مجھے کب تک بیوقوف بناؤ گے' جو تم نے چاہا وہ میں نے کر دیا اب تم دونوں عیش کرو میں راہ کا کانٹا تھا خود نکلا جاتا ہوں پھر یہ کھٹک کیسی ؟
مظفر نے بہت ملائمت سے کہا
پھر وہی محمود سنو تو ——— اچھا بھئی تم نے ریحانہ کو چھوڑ دیا یہ گھر بھی چھوڑے دیتے ہو اسے بھی میں گوارا کر لوں گا' لیکن کمپنی ؟ کیا کمپنی کو بھی چھوڑ دو گے ؟ اور اگر تم یہ فیصلہ بھی کر چکے ہو تو کیا تمھیں یقین ہے کہ کمپنی بھی تمھیں چھوڑ دے گی ؟
محمود نے ان میٹھے الفاظ سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوا اس نے ویسی ہی تلخی کے ساتھ جواب دیا۔
واقعی مظفر تم بڑے ستم ظریف ہو تمھیں یہ باتیں کرنے کی جرأت

کیسے ہو رہی ہے کیا تم مجھے اتنا بدھو سمجھتے ہو کہ ان باتوں کو سچ سمجھ لوں گا اور
کمپنی میں بدستور کام کرتا رہوں گا۔ اگر ایسا کروں تو تف ہے مجھ پر
۔ لیکن میں کہہ چکا ہوں کمپنی نہیں چھوڑے گی تمھیں، تمھاری تنخواہ تم
جہاں بھی رہو گے پہنچتی رہے گی۔
محمود کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اُس نے کہا
تم مجھے دیوث سمجھتے ہو، دلال سمجھتے ہو ریحانہ کا، رشوت دینا چاہتے ہو،
انعام دے رہے ہو مجھے۔؟
محمود سنو تو۔
بس بہت ہو چکا اب کچھ نہیں سُنتا۔
اتنے میں ملازم نے آ کر اطلاع دی ٹیکسی حاضر ہے اس نے اپنے مختصر
سے سامان کی طرف اشارہ کیا اور خود نیچے اُتر گیا۔
ٹیکسی محمود کو لے کر روانہ ہو گئی۔ منظفر اور ریحانہ اپنے کمرے میں آئے۔
ریحانہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا
آج کا سارا پروگرام ستیاناس ہو گیا
منظفر نے ریحانہ کی ٹھوڑی ہاتھ میں لے کر کہا۔
ہو جانے دو، ہمیشہ کے لئے آزادی تو مل گئی ـــــ لاؤ انعام دلواؤ۔
آہا آ گئے ترنگ میں۔ ہر روز عید نیست کہ حلوا خورد کسے
منظفر پر نشہ سا چھا گیا اُس نے اسے گود میں اٹھا لیا اور اس کے رخسار
پر محبت کی مہریں لگانے لگا۔ اس نے کہا
تم مل گئیں میں نے سب کچھ پا لیا۔
ریحانہ نے اس کی گود میں بیٹھے ہوئے ذرا سہم کر پوچھا

اور عارفہ ؟

منظفر نے ایک زور کا قہقہہ لگایا

عارفہ — ؟ وہ کیا کرے گی ذرا بھی سر اٹھایا تو کچل دوں گا ! اس کا بھی
وہی حشر ہو گا جو تمھارا محمود نے کیا ہے ۔ ریحانہ کھل کھلا کر ہنس پڑی اور منظفر
بھی ہنسنے لگا —

مجرمانہ حملہ

فلم کی دنیا میں کوئی بات بھی عجیب نہیں ہوتی۔ جسے عام لوگ انہونی سمجھتے ہیں وہ فلمستان میں آکر ذرا بھی انہونی نہیں رہتی بلکہ واقع ہوجاتی ہے۔ ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے احساسات آبگینہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ذرا سی ٹھیس لگی اور ٹوٹے، قوم بہت جلد مشتعل ہوجاتی ہے۔ انجمنیں بڑی تیزی سے ریزولیشن پاس کرنے لگتی ہیں جلوس نکلنے لگتے ہیں۔ نعرے لگنے لگتے ہیں مظاہرے ہونے لگتے ہیں۔ لیکن فلمی دنیا میں سب کچھ اتنا چپ چپاتے ہوجاتا ہے کہ قوم کو پتہ بھی نہیں چلتا اور چل بھی جائے تو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، نہ پنڈت جی کو غصہ آتا ہے۔ نہ حضرت مولانا کو جلال آتا ہے۔ کسی گمنام اور غریب مسلمان لڑکی سے اگر کوئی ہندو بیاہ کرے، کسی تعلیم یافتہ ہندو لڑکی سے اگر کوئی تعلیم یافتہ اور دولت مند مسلمان شادی کرے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے، کیا کیا ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوگا۔ اسلام خطرے میں پڑگیا اور ہندو مت زوال کے بھنور میں گرفتار ہوگیا۔ یہ تماشے آئے دن ہماری آنکھیں دیکھتی رہتی ہیں۔ لیکن فلمستان میں اس سے بھی بڑے حادثے رونما ہوجاتے ہیں۔ مگر کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ یہاں ہندو ڈائرکٹر مسلمان ایکٹرس سے مسلمان ایکٹر ہندو ایکٹرس سے ناجائز تعلقات بر سر عام قائم کرتے ہیں، پھر جی چاہتا ہے تو نکاح اور

شادی بھی کر لیتے ہیں مگر نہ مولویوں کو خبر ہوتی ہے نہ پنڈتوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے دونوں نے اپنی اپنی قوم کے فلمی افراد کو عاق کر رکھا ہے وہ ان سے کوئی سروکار ہی نہیں رکھتے۔

آج سیٹھ روپ چند کی نئی نویلی دلہن کا جنم دن تھا۔ زہرہ نے ایک ایکٹرس کی حیثیت سے سیٹھ صاحب کی کمپنی میں کام شروع کیا نہ اچھی اداکاری آتی تھی نہ گانا، ناچتی اچھا تھی اور خوب صورت بہت تھی، عمر بھی زیادہ نہیں تھی۔ یہی کوئی ۱۸۔۱۹ سال کی ہوگی، رفتہ رفتہ وہ سیٹھ صاحب کو پسند آگئی، سیٹھ صاحب اس کے ہاں آنے جانے لگے پھر وہ سیٹھ صاحب کے ہاں آنے جانے لگی۔ پھر دونوں ایک ساتھ پکنک اور دورے پر جانے لگے اور ایک دن جیون ساتھی بن گئے، سیٹھ صاحب واقعی زہرہ کو دیوانہ وار چاہتے تھے۔ اس کے پھانس بھی چبھ جاتی تو وہ اپنے دل میں کھٹک محسوس کرنے لگتے۔ ایک دفعہ وہ بیمار پڑی تو دن رات اس کی پٹی سے لگے بیٹھے رہتے۔ ایسی تیمار داری کی۔ کہ کیا کوئی نرس کرے گی، سیٹھ صاحب بال بچوں والے آدمی تھے۔ اپنی بیاہتا بیوی اور بچوں کو بھی چاہتے تھے۔ لیکن زہرہ کی بات ہی اور تھی۔ وہ ہزار جان سے قربان تھے اس خوبصورت سی تتلی پر۔ آج اسی زہرہ کا جنم دن تھا۔ سیٹھ صاحب نے اس موقع پر بڑے اہتمام سے ایک جشن کا بندوبست کیا، اپنے اسٹڈیو کے خوبصورت اور وسیع لان پر ایک بڑا سا شامیانہ نصب کرایا اور ناچ گانے کی محفل کی تیاریاں مکمل کرلیں اس جلسہ میں زیادہ تر وہی لوگ مدعو تھے جو سیٹھ صاحب کی حیثیت اور رنگ کے آدمی تھے۔ ایکٹروں اور ایکٹرسوں کو تشریف لانے کی زحمت انھوں نے بالکل نہیں دی تھی، مجھ پر وہ کافی مہربان تھے

لہٰذا اصرار کے ساتھ مجھے بھی بلایا تھا۔ دس بجے رات تک تمام معزز مہمان تشریف لے آئے اس کے بعد ناچ اور گانے کا سلسلہ ہوا، گل رُخ اسی کمپنی میں کام کرتی تھی اور بہت مختصر سی مدت میں اس نے گانے کا اچھا سلیقہ پیدا کر لیا تھا۔ تھوڑا بہت ناچ بھی لیتی تھی۔ وہ اس کا چھوٹا سا قد وہ اس کی کھلتی ہوئی رنگت وہ اس کی شوخ حرکتیں وہ اُس کی مشہور گانے والیوں کی ہوبہو نقلیں وہ اس کا اپنی ننھی سی کمر کو بل دے کر تھرکنا اور ناچنا جو دیکھتا تھا پسند کرتا تھا جس پکچر میں وہ کام کر رہی تھی مبصروں کا خیال تھا کہانی بھی ڈل ہے اور اداکاری بھی اور ڈائرکشن بھی۔ لیکن گل رُخ کی معصوم اداکاری اور شوخ حرکتیں اور اس کا بے موقع لیکن نہایت دلچسپ ناچ گانا فلم میں چار چاند لگا دے گا۔ اور فلم جتنی بھی چلے گی گل رُخ کے برتے پر چلے گی۔ سیٹھ صاحب بھی اس چھوکری پر خاص توجہ کرتے تھے۔ انھوں نے چند روز کے بعد گل رخ کی تنخواہ بھی بڑھا دی تھی۔ اب وہ اسے ڈھائی سو روپیہ مہینہ دیتے تھے۔ وعدہ یہ تھا۔ دوسری پکچر میں، جب کام لیں گے تو تنخواہ اور بڑھا دیں گے۔ اس ڈھائی سو میں سے پورے سَو روپے سپلائر لے لیتا تھا اور ڈیڑھ سو کی رقم گل رخ کی ماں کے ہاتھ میں آتی تھی وہ بے چاری صبر و شکر کر کے اسی پر قناعت کرتی تھیں اور دال روٹی چلا لیتی تھیں۔ بارہ بجے رات کو دفعتہً سیٹھ صاحب کو گل رخ یاد آئی انھوں نے اپنے دوستوں سے اس ننھی ایکٹرس کی بڑی تعریف کی اور خاص طور پر یہ کہ فلاں فلاں مشہور ایکٹرسوں کے مشہور گانے تو ایسی لے اور دھج میں گاتی ہے کہ دنیا عش عش کر جاتی ہے دوستوں کو بھی اشتیاق پیدا ہوا سب نے شکایت کی اسے آپ نے اس دلچسپ اور نشاط انگیز موقع پر کیوں نہیں طلب کیا انھوں

نے جواب دیا تو بات کیا ہوئی ابھی آئی جاتی ہے سامنے ہی سپلائر بیٹھا تھا۔ سیٹھ صاحب اس سے مخاطب ہوئے اور فرمایا

کیوں بھئی ۔ سکتے ہو گل رخ کو اس وقت؟

وہ مستعدی سے بولا

کیوں نہیں سرکار حکم کی دیر ہے

حکم سنتے ہی وہ تیزی کے ساتھ کمپنی کی کار لے کر روانہ ہو گیا اور تھوڑی دیر میں گل رخ کو لے کر واپس آ گیا بے چاری سوتے سے آئی تھی۔ جمائیوں پر جمائیاں آ رہی تھیں سیٹھ صاحب نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اپنے پاس بٹھا کر کہا

بس یہی ایک کسر تھی سب لوگ تمھارا گانا سننا چاہتے ہیں سناؤ گی؟

اس نے مسکرا کر اپنی گردن اثبات میں ہلا دی پھر خود پوچھا

اور ناچ ؟

سیٹھ صاحب اور دوسرے مہمان قہقہہ لگا کر ہنس پڑے انھوں نے کہا

کیوں نہیں بھئی ناچ بھی دیکھیں گے

اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا

پہلے کیا کروں گاؤں کہ ناچوں ؟

سیٹھ صاحب نے مسکرا کر کہا

جو تمھارا جی چاہے

اس نے ایک مشہور فلم کا گانا شروع کیا ۔ یہ گانا ایک مشہور ایکٹرس نے ناچ ناچ کر گایا تھا۔ گل رخ گا بھی رہی تھی اور ناچ بھی رہی تھی اس کے سن کو دیکھتے ہوئے ناچ بھی اچھا تھا اور گانا بھی، ناچ ابھی کچا تھا۔ آوازیں

س تھا۔ لیکن وہ بچہ تھی فن کار نہ تھی پھر بھی نقل کرنے میں واقعی کمال
ردیا تھا۔ بڑی دیر تک وہ ناچتی گاتی رہی۔ سیٹھ صاحب اور حاضرین مجلس
ہت خوش ہوئے۔ سیٹھ صاحب نے بہت شاباش دی اور سو روپیہ بھی انعام
کے مرحمت فرمائے وہ یہ انعام قبول کرتے ہوئے ہچکچا رہی تھی معلوم نہیں اماں
وش ہوں یا خفا۔ لیکن سیٹھ صاحب نے سپلائر سے کہا۔

اب تم اسے گھر پہنچا آؤ، بچہ ہے نیند آ رہی ہوگی

گل رخ کا یہاں کی مجلس آرائی میں جی لگ گیا تھا وہ جانا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن جب خود سیٹھ صاحب اسے واپس بھیج رہے تھے تو بیٹھنے پر اصرار کس طرح کرتی، خاموشی سے سپلائر کے ساتھ واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد راگ و رنگ کی محفل ختم ہو گئی۔ اب صبح کے چار بجنے والے تھے سارے مہمان رخصت ہو گئے سیٹھ صاحب ایک شاندار کار میں اپنی محبوبہ دل نواز کے ساتھ بیٹھے، اور سب سے آخر میں روانہ ہوئے تھوڑی دور آگے جانے کے بعد ان کی کار بڑی سڑک کو چھوڑ کر ایک گلی کی طرف مڑی یہ گلی بڑی سڑک سے کہیں زیادہ ویران سنسان تھی سامنے ایک باغیچہ تھا۔

کسی کی اس میں سے دفعتہً چیخ کی آواز بلند ہوئی۔

بچاؤ مجھے بچاؤ۔

آواز بڑی دردناک تھی ڈرائیور نے گاڑی روک لی سیٹھ صاحب نے پوچھا۔

کیا ہے کیوں روکی گاڑی ؟

ڈرائیور نے کہا

حضور سنیئے تو کیسی آواز آ رہی ہے۔

تو ہمیں کیا چلو جلدی سے۔

ڈرائیور نے مردانہ عزم کے ساتھ کہا

یہ آواز کسی عورت کی ہے میں ضرور پتہ چلاؤں گا معاملہ کیا ہے۔ آپ بیٹھئے میں ابھی آیا۔

ڈرائیور بجلی کی سی تیزی سے باغیچہ کی دیوار پھاند گیا۔ سیٹھ صاحب دل ہی دل میں ڈرائیور کو ہزاروں گالیاں دے رہے تھے۔ ڈر کے مارے ان کا دم نکلا جا رہا تھا نہ بھاگتے بنتی تھی نہ بیٹھتے، زہرہ بھی بہت سہمی ہوئی تھی اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا ڈرائیور کے جانے کے بعد ایک مرتبہ اور چیخ کی آواز آئی تھی پھر سناٹا چھا گیا۔ مہیب اور بھیانک سناٹا۔ اس سناٹے سے یہ دونوں اور زیادہ سہمے ہوئے تھے اور ان کا دل کہہ رہا تھا اب کوئی بہت بڑا سانحہ ہونے والا ہے ہماری خیر نہیں۔ خدا غارت کرے اس کمبخت ڈرائیور کو ایسے نازک وقت پر کہاں لا پھنسا دیا ہمیں۔

اگرچہ ابھی تک اندھیرا تھا۔ لیکن اب بیٹھے بیٹھے نظر جم چکی تھی زہرہ نے آہستہ سے سیٹھ صاحب سے کہا

ڈرائیور اب تک نہیں آیا

سیٹھ صاحب نے خوف اور دہشت سے تقریباً کانپتے ہوئے کہا

نہ جانے کہاں مر رہا جا کر اب جان کی خیر مناؤ ضرور برخاست کر دوں گا اس ڈرائیور کو، اسے کیا حق تھا ہمیں یوں تنہا چھوڑ کر آگ میں کود پڑے خود کا زندگی سے جی سیر ہو گیا تھا۔ جو چاہتا کرتا لیکن اپنے ساتھ دوسروں کو پھنسانے کے کیا معنی ؟ اسی لئے ان سرحدی پٹھانوں کو میں نوکر رکھتے ہوئے گھبراتا ہوں۔

زہرہ چپ چاپ بیٹھی یہ جلی کٹی باتیں سنتی رہی دہشت اس پر بھی

طاری تھی ۔ لیکن نہ اتنی جتنی سیٹھ صاحب پر زہرہ کو خاموش دیکھکر وہ بھی چپ ہو گئے اتنے میں کچھ کھڑ کھڑا ہٹ ہوئی اور دو تین سائے باغیچہ سے نکل کر قریب آتے ہوئے دکھائی دیئے ۔ سیٹھ صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں آہستہ سے کہا

دیکھو ۔!

ہاں دیکھ رہی ہوں ــــــ کون ہیں یہ ؟

میں کیا جانوں ؟

وہ ڈرتی ہوئی بولی

خدا خیر کرے

اتنے میں وہ سائے بالکل سامنے آ گئے ۔ ڈرائیور بڑی مضبوطی سے سپلائر کے بڑے بڑے انگریزی بال اپنی مٹھیوں میں جکڑے ہوئے تھا اور اس کے پیچھے ڈری سہمی گل رُخ کھڑی تھی ، ڈرائیور کو دیکھکر سیٹھ صاحب کے اوسان ذرا بجا ہوئے ۔ لیکن وہ اتنے گھبرائے ہوتے تھے کہ کچھ نہ سمجھ سکے ۔ معاملہ کیا ہے ۔ ؟ انھوں نے ذرا زور سے پوچھا

کیا معاملہ ہے ؟

معاملہ کیا ہے دیکھ لو صاحب ؟

یہ کہہ کے ڈرائیور نے دوسرے ہاتھ سے ایک زور دار گھونسہ سپلائر کے جبڑے پر رسید کیا وہ جھوم گیا

زہرہ کار سے باہر نکل آئی اس نے گل رخ کو دیکھکر سیٹھ صاحب سے کہا

ارے یہ تو ہماری گل رخ ہے ۔

ایں ۔؟

سیٹھ صاحب بھی شان مردانگی دکھاتے ہوئے اترے اور گل رُخ سے پوچھا

تو یہاں کہاں ؟

وہ جواب دینے کی بجائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی زہرہ نے دلدہی کے لہجہ میں کہا

روتی کیوں ہو بتاؤ کیا ہوا تم یہاں کیسے آئیں ؟

روتے روتے اس نے انگلی سے سپلائر کی طرف اشارہ کیا۔

یہ لایا تھا ۔

سیٹھ صاحب نے بڑے تاؤ میں پوچھا

کیوں ـــ؟

ڈرائیور نے سپلائر کے منہ پر پھر کس کے ایک گھونسہ دیا اور کہا

یہ آدمی نہیں شیطان ہے ۔

سپلائر بڑے حوصلہ سے مار کھا رہا تھا لیکن بالکل خاموش کھڑا تھا

ڈرائیور نے کہا

یہ اس بچی کو خراب کرنے یہاں لایا تھا اگر میں نہ پہنچ جاتا تو یہ مرجاتی اور یہ سالا بھاگ جاتا۔

پھر اس نے تابڑتوڑ کئی گھونسے سپلائر کے مارے۔ ہر ہر گھونسے پر اس کی روح نکل جاتی تھی ۔لیکن نہ اس سے روتے بنتا تھا - نہ چیختے ۔ سر کے بال ڈرائیور کے ہاتھ میں تھے اور وہ بے بسی کے عالم میں کھڑا تھا۔

زہرہ نے حقارت کی نظر اس پر ڈالی اور کہا

کمینہ

سیٹھ صاحب نے بڑھکر ایک لات ماری اور فرمایا

بدمعاش

ڈرائیور نے پیٹھ پر گھونسے مارتے مارتے اسے زمین پر گرادیا اور کہا

حرامی

زہرہ نے ڈرائیور سے کہا

اب چھوڑدو اسے بہت ہو چکا

سیٹھ صاحب نے بگڑ کر کہا

نہیں اسے پولیس کے حوالہ کرو وہیں اسے سبق ملے گا

ڈرائیور نے سر کے بال پکڑ کر اسے پھر اٹھایا اور کہا

چل پولیس چوکی

سپلائر سیٹھ صاحب کے قدموں پر گر پڑا اور رونے لگا

حضور میں واقعی کمینہ ہوں، بدمعاش ہوں، حرامی ہوں، مجھ پر شیطان سوار ہو گیا تھا، غلطی ہوئی معاف کر دیجئے اب ایسی غلطی نہ ہوگی۔ مجھ پر نہیں میرے چھوٹے چھوٹے بچوں پر رحم کیجئے، دعا دیں گے ہمیشہ حضور کو۔

زہرہ نے کہا

تجھے اس ننھی سی جان پر کب رحم آیا یہ بھی تو تیری لڑکی کے برابر ہے۔

ڈرائیور نے پھر ایک زوردار لات جمائی

اٹھ چل پولیس چوکی

لیکن وہ مچل گیا

دہائی ہے سرکار کی میں بڑا گنہگار رہوں معاف کر دیجئے اب سے گل رخ کو اپنی لڑکی سمجھوں گا۔

سیٹھ صاحب نے کچھ سوچ کر ڈرائیور سے کہا

چھوڑ دو اسے

ڈرائیور نے نہیں چھوڑا سپلائر سے کہا

چل

سیٹھ صاحب نے پھر بڑی ملائمت سے کہا

چھوڑ دو اسے کافی سزا مل چکی ہے، مجھے اس کے بچوں پر رحم آ رہا ہے

_____ لیکن اب اگر تو نے میری کمپنی میں قدم رکھا یا گل رخ کے گھر گیا تو

جیل بھجوا دوں گا چودہ برس سے کم کو نہ جائے گا۔

سپلائر نے قدموں میں سر رکھ دیا

بہت اچھا سرکار ایسا ہی ہوگا۔

ڈرائیور کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے اور سپلائر اس کی گرفت سے آزاد ہو گیا

ڈرائیور نے موٹر پر بیٹھتے بیٹھتے سپلائر کے منہ پر تھوکا اور کہا

جا بھاگ یہاں سے

وہ گردن جھکا کر چلا گیا گل رخ کو سیٹھ صاحب نے اپنی موٹر میں بٹھا کر

اس کے گھر پہنچا دیا۔

پھر خود اپنے عشرت کدہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ زہرہ خاموش تھی۔ گاڑی

تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ سیٹھ صاحب نے ذرا بلند آواز میں فرمایا تاکہ زہرہ

اور ڈرائیور دونوں سُن لیں۔

اگر معاملہ پولیس میں جاتا تو ہم بھی پھنستے اور کمپنی بھی بدنام ہوتی۔

زہرہ نے جل کر کہا

اب کون سی نیک نامی مل گئی۔

وہ عاجز ہو کر بولے

ارے بھئی تم نہیں سمجھتیں ——— ہم بدنام ہوں بلا سے لیکن
گل رخ تو بچ گئی ۔

زہرہ نے پوچھا

اُسے کیا ہو رہا تھا ۔؟

پھر وہی ناسمجھی کی باتیں یہ خبر اُڑتی تو گل رخ کی زندگی تباہ ہو جاتی
پچاس برس کی ہو جاتی مگر کوئی شادی نہ کرتا نہ کوئی کمپنی اپنے ہاں اُسے نوکر
رکھتی ۔ شریف گھرانے کی لڑکی ہے اسے تباہ کرنے سے کیا حاصل ؟

دلیل زہرہ کے دل کو نہیں لگی ؛ لیکن وہ خاموش ہو گئی ۔ بحث کرنے سے
کیا حاصل اور اب گھر بھی آ گیا تھا اور نیند بھی آ رہی تھی ۔

سیٹھ صاحب گاڑی سے اترے ، انھوں نے ڈرائیور کی پیٹھ ٹھونکی ۔
اور کہا

ہم تم سے بہت خوش ہوا تم بڑا بہادر آدمی ہے تم نے ایک معصوم لڑکی
کی جان بچائی ۔

ڈرائیور نے سر جھکا کر یہ باتیں سُنیں اور سیٹھ صاحب اپنی کوٹھی میں
داخل ہو گئے راستہ میں انھوں نے زہرہ سے کہا

بڑی ناسمجھی کی باتیں کرتی ہو ۔

اے واہ میں نے کیا کیا خواہ مخواہ ۔

تمھاری باتوں سے وہ کافی بھڑک رہا تھا پٹھان آدمی ، زیادہ غصہ
آتا تو وہیں سپلائر کو چاقو بھونک کے ڈھیر کر دیتا ۔ تمھارا اور گل رخ کا تو
کچھ نہ بگڑتا ۔ میں بندھا بندھا پھرتا مفت میں ، ذرا موقع محل دیکھ کر بات
کیا کرو ——— اب تک اس کا غصہ نہیں اترا ہے ۔ دیکھ تو رہی ہو کیسا

منہ پھلائے ہوئے ہے کل اسے کچھ انعام دے کر خوش کرنا پڑے گا۔

زہرہ بولی

اونھ ہو گا تم تو خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بتاتے ہو نہ وہ چاقو مار دیتا
وہ تباہ ہو جاتی ——— لیکن دیکھو اب تم بھی ایسی غلطی کبھی نہ کرنا
رات برات گل رخ کو تنہا بلواؤ۔ وہ تو کہو اللہ نے عزت رکھ لی ورنہ
ہم منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔ بھاڑ میں جائے ایسا راگ ورنگ
شگون کے پیچھے اپنی ناک کٹانا کہاں کی عقلمندی ہے تمھیں جو سوجھتی ہے
سوجھتی ہے اور بعد میں پھر ہاتھ ملتے ہو بیٹھ کے۔

سیٹھ صاحب خاموشی سے یہ ہدایتیں اور نصیحتیں سُن رہے تھے
استاد کے سامنے شاگرد۔

نکاح ثانی

محمود، ریحانہ اور مظفر سے بالکل بے تعلق ہو چکا تھا ایک دوسری فلم کمپنی میں اسے معقول مشاہرہ پر ملازمت مل گئی تھی، اس نے اپنے ذہن سے یہ بات بھلا دی تھی کہ وہ کبھی ریحانہ کا شوہر تھا، ریحانہ کبھی اس کی رفیقۂ حیات تھی، کبھی دونوں نے ایک ساتھ پیمان وفا باندھا تھا کبھی دونوں ایک دوسرے کے چہیتے اور دلارے تھے، کبھی دونوں ایک دوسرے پر جان چھڑکتے اور قربان ہوتے تھے۔ یہ واقعات اب افسانۂ پارینہ بن چکے تھے اور محمود انھیں یکسر فراموش کر دینا چاہتا تھا وہ اس راستہ سے نہیں گزرتا تھا جہاں ریحانہ سے مڈبھیڑ کا اندیشہ ہو وہ اس جلسہ میں نہیں شریک ہوتا تھا جہاں ریحانہ موجود ہو۔ وہ اس کمپنی کے آس پاس نہیں آتا تھا۔ جہاں ریحانہ کام کرتی ہو، وہ اپنے دوستوں اور آشناؤں سے دنیا جہان کی باتیں کرتا۔ لیکن ریحانہ کا تذکرہ نہ آنے دیتا، کسی اور کی زبان سے بھی اس ذکر کو نہیں سننا چاہتا تھا۔ اپنے نئے گھر سے اس نے ہر وہ چیز خارج کردی تھی جس سے ریحانہ کی یاد تازہ ہو سکتی تھی۔ وہ تمام تصویریں پھاڑ دی تھیں جو صرف ریحانہ کی یا ریحانہ اور محمود دونوں کی تھیں، ان خطوں میں اس نے آگ لگا دی تھی جو وقتاً فوقتاً اُس نے ریحانہ کو یا ریحانہ نے اس کو لکھے تھے۔ وہ ریحانہ پر اتنا بھروسہ رکھتا تھا کہ کبھی اس کے دل میں یہ خیال

گزرا ہی نہیں کہ وہ بے راہ ہو سکتی ہے آوارگی اختیار کر سکتی ہے یا بے وفائی کر سکتی ہے اسی اعتماد کا نتیجہ یہ تھا کہ اس نے اسے مکمل آزادی دے دی تھی وہ کہیں جاتے کسی سے ملے، کوئی کام کرے وہ نہ شک کرتا تھا نہ مداخلت اگر کوئی شک کا اظہار کرتا تو وہ اُسے خاموش کر دیتا اور صاف کہہ دیتا مجھے ریحانہ پر اعتماد ہے وہ سب کچھ کر سکتی ہے۔ لیکن دغا نہیں کر سکتی۔ بدراہ نہیں ہو سکتی۔ لیکن اب اس کا اعتماد متزلزل ہو چکا تھا اسے زندگی میں سب سے بڑا دھچکہ لگ چکا تھا، ریحانہ نے اُسے دھوکا دیا، ریحانہ نے اُسے چھوڑ دیا، ریحانہ ایک دوسرے کی ہو رہی، اسے مظفر سے اتنی شکایت نہیں تھی، جتنا گلہ ریحانہ سے تھا وہ مرد تھا اور مرد ہوس سے بے قابو ہو جاتا ہے، وہ عورت تھی اور عورت چٹان ہوتی ہے وہ خود اگر بہکنا نہ چاہے۔ تو دنیا کی کوئی شخصیت اسے نہیں بہکا سکتی وہ خود اگر خراب نہ ہونا چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے خراب نہیں کر سکتی۔ یہ اس کا عقیدہ تھا۔ لیکن مکڑی کے جالے سے زیادہ کمزور ثابت ہوا۔

ریحانہ سے جدائی کا محمود کو صدمہ ضرور تھا۔ لیکن اس صدمہ کو بڑے وقار کے ساتھ اس نے برداشت کر لیا تھا اب وہ اپنی زندگی نئی بنیادوں پر شروع کرنا چاہتا تھا۔

ریحانہ نے اس کی دنیا ویران کر دی تھی۔ لیکن اس کے سینے میں امنگوں اور حوصلوں کی کمی نہ تھی وہ مایوس نہیں ہوا تھا۔ وہ پھر سے اپنی دنیا کو آباد کرنے کا ولولہ رکھتا تھا بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ دیوالیہ ہونے کے بعد خودکشی کر لیتے ہیں یا بھیک مانگنے لگتے ہیں کچھ ایسے اولوالعزم بھی ہوتے ہیں جو پھر سے جدوجہد کی نئی بنیاد رکھتے ہیں نئی تعمیر کرتے

ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں، محمود بھی انہیں لوگوں میں تھا وہ دیوالیہ ہو چکا تھا اس کا سب کچھ نیلام پر چڑھ گیا تھا اب اس کے پاس کوئی چیز خود اس کے اپنے سوا ایسی نہیں تھی جسے وہ اپنا کہہ سکے یہ بہت بڑا بہت شکن سانحہ تھا لیکن وہ خودکشی پر آمادہ نہیں ہوا۔ ناکامی کو وہ کامیابی سے بدلنا چاہتا تھا۔ جو کچھ ہو چکا اسے بھول جائے اور اپنی دنیا کو پھر قہقہوں اور مسرتوں کی دنیا بنا لے۔ وہ فلک پیر کا شکوہ سنج نہیں تھا اسے اپنی تقدیر سے کبھی گلہ نہیں تھا وہ رقیب روسیاہ کا بھی شاکی نہیں تھا اب اس کے دل میں یار بے وفا کی بے مہری کا غم بھی نہیں تھا وہ اب ایک سادہ سلیٹ تھا اور چاہتا تھا اس پر نئے نقش و نگار بنیں نئے بیل بوٹے ابھریں نئے پھول اور کلیاں کھلیں اسی طرح یہ زخم مندمل ہو سکتا ہے صرف اسی طرح یہ ویرانی رونق سے بدل سکتی ہے۔

وہ کلبوں میں جاتا تھا تھیٹروں کی سیر کرتا تھا ایکٹرسوں سے یارانے گانٹھتا تھا سوسائٹی گرلس سے ملاجلا کرتا تھا شریف زادیوں اور مال زادیوں سے ملتا تھا۔ رنڈیوں کے بالاخانے طوائفوں کے کوٹھے پر پہنچتا تھا۔ لیکن لٹنے کے لئے نہیں، لوٹنے کے لئے، سودا کرنے کے لئے کچھ حاصل کرنے کے لیے۔ اب تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ لیکن اس ناکامی نے اس کی سرگرمی اور جوش میں کچھ زیادتی پیدا کر دی تھی وہ ہمت ہارنا نہیں جانتا تھا، وہ قناعت کے مفہوم سے ناآشنا تھا۔ اس نے ماں باپ کا بھائی بہن کا دوستوں اور رشتہ داروں کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ وہ کسی سے اس وقت تک نہیں ملنا چاہتا تھا۔ جب تک ایک نئی ریحانہ اس کے اجڑے ہوئے کاشانہ کو آباد نہ کر دے جب تک ملنے والے اور دیکھنے والے یہ نہ پکار اٹھیں۔

ہاں اس نے کھویا، لیکن پایا بھی، نقصان کا پلہ ہلکا رہا اور نفع کا پلہ بازی

لے گیا ــــ

اب اُسے صرف یہی ایک فکر تھی، یہی ایک مقصد تھا جس کے حصول کے لیے وہ ہمہ تن جوش و عمل بنا ہوا تھا۔

محمود کی نئی کمپنی میں میوزک ڈپارٹمنٹ کی چیف سنگر، ایک پارسی دوشیزہ مس باٹلی والا تھی، یہ دو برس تک یورپ میں رہ کر موسیقی کے فن میں کمال حاصل کر چکی تھی، لکھنؤ کے میرس میوزک کالج میں بھی تعلیم حاصل کی تھی، گجراتی اس کی مادری زبان تھی۔ لیکن اردو اور انگریزی بھی فر فر بولتی تھی، لب و لہجہ اتنا صحیح کہ کوئی وہم بھی نہیں کر سکتا تھا یہ اس کی مادری زبان نہیں ہے۔ مس باٹلی والا کو شعر و شاعری سے بھی بڑی دلچسپی تھی، جگر اور اختر شیرانی کا کلام اسے بہت پسند تھا، اختر کی مشہور نظم "اے عشق کہیں لے چل!" ــــ تو اُسے زبانی یاد تھی، مزے لے لے کر وہ اُسے پڑھتی تھی، گاتی تھی دوسروں کو سناتی تھی، مس باٹلی والا کے والد حیدر آباد دکن میں انجینیر تھے مس باٹلی والا کی زندگی کا بڑا حصہ حیدر آباد دکن میں گزرا تھا، مسلم تہذیب و معاشرت اور ثقافت سے غیر شعوری طور پر کافی متاثر تھی، کمپنی کا اسٹاف مرہٹوں اور گجراتیوں سے بھرا ہوا تھا ایک محمود ایسا تھا جو نہ گجراتی تھا نہ مرہٹہ، اُس کی ذات میں اسے کچھ تنوع نظر آیا، کچھ موانست بھی محسوس ہوئی اور پھر محمود کی پیش قدمی کے بغیر مس باٹلی والا اس کی طرف مائل ہوئی، کچھ عرصہ بعد اس میلان نے التفات کی صورت اختیار کر لی اور دونوں کے تعلقات مشکوک حد تک ترقی کر گئے لیکن کمپنی والے آزاد خیال لوگ تھے وہ ان باتوں کی پروا بھی نہیں کرتے تھے کون کس سے مل رہا ہے؟ اور کس کے کس سے کیسے تعلقات ہیں؟ ان کا کام ٹھیک طرح سے ہوتا رہے، اس کے بعد کوئی کیا کرتا ہے۔ اس سے بحث نہیں چنانچہ محمود اور مس باٹلی والا، بڑی آزادی اور بے تکلفی سے دوستی کے پلینگ بڑھانے

رہے، اور کسی نے محسوس بھی نہیں کیا یہ دونوں کس راستے پر چل رہے ہیں۔

محمود اب ریس کا بڑا عادی ہو گیا تھا، بمبئی اور پونہ کے سیزن، اس کی سرگرمیوں کا مرکز تھے۔ شروع شروع میں اس نے ریس کورس جانے کی عادت اس لئے ڈالی کہ وہاں مجمع حسینان ہوتا ہے۔ شہر بھر کا حسن سمٹ کر جمع ہو جاتا ہے اور نظر کوئی نہ کوئی اچھی صورت آ ہی جاتی ہے، رفتہ رفتہ لذت گناہ کے ساتھ ساتھ، وہ جوئے کا باقاعدہ عادی ہو گیا اور بیچ بیچ بڑی قابلیت سے ریس کھیلنے لگا، محمود اور مس باٹلی والا میں تعلقات کے روز افزوں بڑھنے کا ایک سبب ریس کا شوق بھی تھا وہ بھی ریس کی بڑی رسیا تھی، جہاں سنیچر کا دن آیا۔ اور وہ اپنی دوربین لے کر محمود کے کمرے میں پہنچی۔

"چلئے یہ کام تو بعد میں بھی ہو سکتا ہے، ریس مس ہو جائے گی۔"

وہ بھی جلدی جلدی اپنا کام سمیٹتا اور فوراً اٹھ کھڑا ہوتا۔

"ہاں بھئی چلو!"

ایک روز اسی طرح مس باٹلی والا نے پہنچ کر تقاضا کیا اور محمود فوراً اس کے ساتھ ہولیا۔ دونوں ایک ٹیکسی میں بیٹھے اور روانہ ہو گئے وہاں فرسٹ کلاس انکلوژر میں جا کر بیٹھ گئے مس باٹلی والا نے اپنی دوربین سنبھال لی۔ لیکن ابھی ریس شروع نہیں ہوئی تھی، آس پاس کی کچھ نشستیں خالی تھیں، اتنے میں چمن بائی اپنی زرکار و زرنگار ساری کا پلّو سنبھالتی ہوئی اپنی زرکار اور زرنگار صاحبزادی، مس چاندنی کے ساتھ رونق افروز ہوئیں اور بالکل محمود کے پاس آ کر بیٹھ گئیں انھیں ریحانہ اور مظفر کے سارے واقعات معلوم تھے، وقت کاٹنے کے لئے انھوں نے محمود سے یہی تذکرہ شروع کر دیا وہ ویسے ہی اس ذکر سے کتراتا تھا، لیکن مس باٹلی والا کے سامنے تو اور زیادہ

گھبراتا تھا اس لئے جب یہ دیکھا کہ چمن بائی کی شفقت لحہ بہ لمحہ خطرناک حد تک بڑھتی جارہی ہے اور بے تعلق بیٹھنے کے باوجود، مس باٹلی والا کے کان میں ان کے الفاظ کچھ نہ کچھ پہنچ ہی رہے تھے تو اس نے اِدھر اُدھر دیکھکر چمن بائی سے کہا۔

"اجی میرا تذکرہ چھوڑیئے جو ہونا تھا ہو چکا ــــ"

بات کاٹ کر بولیں

ارے واہ کیوں چھوڑدوں؟ اے اللہ رکھے جوان ہو، خوبصورت ہو، ریحانہ کی آنکھوں پر تو پٹی بندھی تھی، جس پر نظر ڈالو گے تمھارا کلمہ پڑھنے لگے گی!

پھر مسکراتی ہوئی آنکھوں سے مس باٹلی والا کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:۔

"دیکھ لو ان ہی کو، کیا کچھ ریحانہ سے کم ہیں!"

محمود اور گھبرایا اس نے بھی انتقام لینے کی ٹھان لی، کہنے لگا:۔

میں نے ایک بڑی عجیب بات سنی ہے!

ہمہ تن متوجہ ہوکر دریافت فرمایا

کیا سنا ہے؟

مس چاندنی اور آپ کے خانہ زاد ملازم۔

مس چاندنی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں، ان کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ چمن بائی بھی بہت سٹپٹائیں؛

جھوٹ بالکل جھوٹ

محمود نے کہا:۔

میں نے کئی لوگوں سے سنا ہے، اور وہ جھوٹ نہیں بولتے۔

چمن بائی اٹھتے اٹھتے بولیں

جھوٹ نہیں بولتے ——— ہمیں بدنام کرنے کے لئے وہ سب کچھ کر سکتے ہیں، میرے اور میری بچی کے دشمن خدا کرے ڈھائی گھڑی کی آئے، چل بیٹی :

چاندنی کا ہاتھ پکڑا اور اُسے لے کر دوسری طرف چلی گئیں، محمود... مسکرانے لگا، مس باٹلی والا نے پوچھا

یہ کیا کہہ رہی تھیں۔

محمود نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے کہا

وہ تو کچھ نہیں کہہ رہی تھیں، میں کہہ رہا تھا، لیکن سننے کی تاب نہ لا سکیں. بھاگ کھڑی ہوئیں۔

مس باٹلی والا نے دوربین آنکھوں کے سامنے سے ہٹائی اور محمود کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔

وہی چاندنی اور نوکر کا قصہ ——— ؟

ہاں وہی

اور دونوں ہنسنے لگے، اب ریس شروع ہو چکی تھی اور مس باٹلی والا اپنے محبوب گھوڑے کی دوڑ دیکھنے میں ہمہ تن متوجہ تھیں، لیکن وہ ہار گیا اور مس صاحبہ کا چہرہ اتر گیا، محمود اور مس باٹلی والا نے الگ الگ گھوڑوں پر داؤں لگائے تھے، وہ ایک کے سوا تمام بازیاں جیت گئی اور یہ بےچارہ ایک بازی بھی نہ جیت سکا، مس باٹلی والا کا چہرہ پھول کی طرح کھلا ہوا تھا، اور محمود بھی اسے خوش دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ مس باٹلی والا نے محمود سے کہا۔

تم تو ایک بازی بھی نہ جیت سکے !

تم تو جیت گئیں
وہ فخر کے ساتھ بولی
لیکن ہارتی کب ہوں ؟ ہمیشہ جیتی ہوں :
تمھاری جیت میری ہار ہے اور میں اس پر خوش ہوں، فخر ہے مجھے !
مس باٹلی والا ذرا شرما گئی اس نے پہلو بدلتے ہوئے کہا
آگئے اپنے رنگ پر ؟
رنگ کیسا ؟
وہی شاعرانہ اور عاشقانہ باتیں
ہاں ٹھیک کہا تم نے، یہی تو میرا اصلی رنگ ہے :
وہ ہنسنے لگی
آؤ چلیں
دونوں آکر ایک ٹیکسی پر بیٹھ گئے ۔ ڈرائیور نے پوچھا :-
کدھر چلوں ؟
مس باٹلی والا نے محمود کی طرف دیکھا ، اس نے ڈرائیور سے کہا
کرکیٹ کلب آف انڈیا
مس باٹلی والا ذرا کسمسا کر بولی :-
وہاں
محمود نے جواب دیا
اور کہاں ؟ آج جیتی ہو، تو ہمیں ہمارا حصہ بھی تو دو
وہ مسکرا کر خاموش ہو گئی اور کار تیزی کے ساتھ چل پڑی
کرکیٹ کلب آف انڈیا ، نہایت پر فضا اور پر بہار مقام پر ساحل سمندر

کے عین سامنے واقع ہے۔ ایک زمانہ میں تاج محل ہوٹل سب کچھ تھا لیکن جب سے کرکیٹ کلب آف انڈیا نے اونچے طبقہ کے لوگوں کے لئے ہی ایک کیف افزا اقامت گاہ کی حیثیت اختیار کرلی تھی، تاج محل ہوٹل کی رونق تقسیم ہوگئی تھی یہاں اور وہاں، اب دونوں جگہ تماشائیوں اور تماش بینوں کا مجمع ہوتا تھا، محمود نے کوئی فلیٹ نہیں لیا۔ اکیلا آدمی تھا، کون یہ جھنجھٹ پالتا، مکان، باورچی، خانہ داری اس لئے کرکٹ کلب آف انڈیا میں ایک کمرہ کرایہ پر لے لیا اور نوابوں کی طرح ٹھاٹھ سے رہنے لگا یہیں اس کی ملنے والیاں ـــــ سوسائٹی گرلس، ایکٹریسیں اور دوسری بلند بام عورتیں ـــــ آیا کرتی تھیں، گھنٹوں اور پہروں، رات گئے تک، کبھی کبھی بہت رات گئے تک چہلیں اور سرمستیاں ہوا کرتی تھیں مس باٹلی والا بھی کئی دفعہ آ چکی تھیں یہاں اور اب پھر آرہی تھیں، لیکن آج نہ جانے کیوں اس کا دل دھڑک رہا تھا، اور محمود کے چہرے پر ایک خاص کیفیت طاری تھی کیوں ـــــ؟

آج یہاں، رقص و موسیقی کا پروگرام تھا، دونوں نے اس میں شرکت کی، اور کافی محظوظ ہوئے، اس سے فارغ ہوکر محمود نے کہا

آج تم میری مہمان ہو، چلو میرے کمرے میں!

چلتی ہوں، لیکن وہاں سے تمہارا کیا مطلب؟

مطلب یہ کہ کھانا کھاؤ، پھر سینما چلو، پھر آؤ اور گپیں کرو، پھر اپنے گھر چلی جانا۔

وہ بولی

وہ، یہ تو بہت لمبا پروگرام ہوگیا، ڈیڈی کیا کہیں گے؟

وہ ہنس کر بولا

کیا کہیں گے ؟

خفا ہوں گے

کیوں خفا ہوں گے ؟

پوچھیں گے اتنی دیر کہاں رہی ؟

اوہو' دو برس تک یورپ میں گھومتی رہیں' دو برس لکھنؤ میں اکیلی رہیں جب تو انھوں نے نہیں پوچھا اور اب چند گھنٹے لیٹ پہنچو گی تو پوچھیں گے کیوں جی ۔ !

وہ مسکرادی

اس سے کیا ہوتا ہے ؟

کیوں نہیں ہوتا ؟

وہاں تو میں فن سیکھنے اور تعلیم حاصل کرنے گئی تھی ۔

کہہ دینا ایک بہت بڑا فن کار مل گیا تھا اسی سے کچھ سیکھنے گئی تھی ۔

بڑے شریر ہو تم محمود، لیکن ایک بات سوچ لو ۔

فرمایئے کیا بات ؟

میری تمھاری دوستی تو بڑی دور تک نبھ جائے گی، لیکن اس سے زیادہ کی امید نہ رکھنا !

محمود ذرا جھینپ سا گیا

یہ تم نے کیسے جانا کہ میں اس سے زیادہ کی آس لگائے بیٹھا ہوں ؟

یہ تو وہی بات ہوئی تم تو مجھے چھیڑ دو گے ؟

اس نے ہلکے سے محمود کے گال پر ایک طمانچہ لگایا اور بڑے محبت بھرے

میں کہا

ایڈیٹ

محمود اس کے اور قریب آ گیا

لو مار لو جی بھر کے ہمیں بھی دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے۔

وہ ذرا پرے ہٹ گئی۔

توبہ تم تو چڑھے آتے ہو ذرا ہٹ کر بیٹھو

محمود اور قریب ہو گیا۔

کیوں؟ نفرت کرتی ہو مجھ سے؟

بالکل نہیں!

گھبراتی ہو

وہ غمزہ ترکانہ سے کام لیتی ہوئی زیر لب تبسم کے ساتھ بولی

ہاں۔

اور اس نے محمود کو ذرا پیچھے دھکیل دیا، وہ بھڑ بچوں کی طرح ہمک کر قریب آ گیا۔

یہ نہیں ہو سکتا!

توبہ ہے بھئی آخر تم چاہتے کیا ہو؟

میں کیا چاہتا ہوں بتاؤں؟

وہ خوف زدہ چڑیا کی طرح اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

ہاں بتاؤ!

وہ اس سے بالکل بھڑ کر بیٹھ گیا۔

میں چاہتا ہوں، یہ بانہیں تمہارے گلے میں حمائل کر دوں، میرے یہ

گرم گرم ہونٹ، تمھارے گرم گرم رخسار سے پیوست ہو جائیں، تم میرے اور قریب آ جاؤ، میں تم سے اور قریب ہو جاؤں!

وہ نشیلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

بس! اس سے زیادہ تو کچھ نہیں؟

نہیں، فی الحال اتنا کافی ہے۔

اس نے اپنی سفید سفید بانہیں محمود کے گلے میں حمائل کر دیں، اور بولی۔

اجازت ہے۔

اور محمود دل و جان سے پیار کرنے لگا مس باٹلی والا کی صراحی دار گردن ابروئے خم دار، چشم سیہ، اور رخسار گلعذار پر اس وقت محمود بے تکان چھاپے مار رہا تھا اور وہ پوری وارفتگی کے ساتھ ہمہ تن سپردگی بنی ہوئی تھی۔

محمود نے بہت ہاتھ پیر مارے، لیکن مس باٹلی والا نے رخسار و گلو کی حد سے آگے نہیں بڑھنے دیا، محمود نے تنگ آ کر جھنجلاہٹ کے ساتھ پوچھا

آخر یہ کیا ستم ہے؟ تم اتنی سنگدل کیوں ہو؟

وہ اپنی زلفیں ٹھیک کرتی اور پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

سنگ دل ہوتی، تو اپنے دل کی دھڑکن تمھیں سناتی؟

تمھارے یہ انگارے کے سے ہونٹ، میرے ہونٹوں سے ملتے؟ میرے پاس جو کچھ تھا وہ میں نے تمھیں دے دیا، لیکن تم اب وہ چیز مانگ رہے ہو، جو میری نہیں کسی اور کی ہے!

یہ عجیب و غریب بیان سنکر محمود چکرا گیا، وہ سنبھل بیٹھا اس نے پوچھا وہ کون سی چیز ہے جو تمھاری نہیں ہے؟ اور جسے میں مانگ رہا ہوں؟ ذرا بتانا تو!

اس نے سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا

بوس و کنار کی حد تک، میں بے تکلف ہو سکتی ہوں، اس میں کچھ
ثقہ نہیں اس کے بعد جو کچھ ہے وہ میرے ہونے والے شوہر کا ہے
اس میں کوئی خیانت میں نہیں کر سکتی۔

محمود کو بھی مجبوراً سنجیدگی پر اتر آنا پڑا، یہ بڑی سنجیدہ بحث چھڑ گئی تھی
نے دریافت کیا،

یہ عجیب منطق ہے!

ہاں! لیکن میں نے لندن میں سیکھی ہے!

یہ وہاں کی تعلیم کا اثر ہے؟

تعلیم کا نہیں صحبت کا ـــــــ وہاں کی شریف لڑکیاں بالعموم شادی
قبل بے عصمت نہیں نہیں ہوتیں، اس کے بعد ہوتی ہیں! اور یہ راز
میری ایک سہیلی نے بتایا تھا!

کیا بتایا تھا؟

ایک اینگلو انڈین لڑکا میرے پیچھے پڑ گیا، میں بھی اس کے پیچھے دیوانی
ی، ہم دونوں میں محبت کے پینگ بڑھنے لگے قریب تھا کہ میں اسے وہ
ب کچھ دے بیٹھتی جس کا آپ تقاضا کر رہے ہیں۔ لیکن کیتھرائن نے
ی آنکھیں کھول دیں۔

کس طرح؟

کہنے لگی:۔

وہ میری رازدار سہیلی تھی، میں اس سے کوئی چیز نہیں چھپاتی تھی
ی اپنی کوئی بات مجھ سے راز نہیں رکھتی تھی اپنے عشق کی داستانیں

میں اسے سناتی تھی' اپنے رومان کی کہانیاں وہ مجھے سناتی تھی۔ ایک
روز میں نے اس سے کہا، کیتھرائن اب میں بے قابو ہوتی جاتی ہوں
رچرڈ میری سب سے قیمتی پونجی مجھ سے چھین لے گا اور میں کچھ نہ کرسکوں
اس سے میری ایک نہیں چلتی' کیتھرائن نے کہا

کچھ دیوانی ہوئی ہو؟

میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا

یہی سمجھ لو

اس نے مجھے جھنجوڑ ڈالا اور بولی

خبردار! ایسا نہ کرنا' رچرڈ کا کچھ نہ ہوے گا، تم ہمیشہ کے لئے تباہ ہوجاؤ
میں نے بے بسی کے ساتھ کہا۔

لیکن رچرڈ اگر مجھے تباہ کر دے' تو ذرا بھی غم نہیں کروں گی۔ میں اُ
دل و جان سے چاہتی ہوں۔

کیتھرائن بولی

پگلی' عورت کی سب سے بڑی پونجی اس کی عصمت ہے اور اگر
پونجی وہ گنوا دے' تو پھر نہ عاشق اس کا ساتھ دیتا ہے، نہ شوہر کے دل
جگہ کرسکتی ہے' عاشق یہ سمجھتا ہے' میرے ساتھ اس نے جو سخاوت
ہے' ممکن ہے پھر کسی اور کے ساتھ بھی دریا دلی سے کام لے اور شوہر یہ سمجھ
ہے کہ جو عورت اپنی آبرو گنوا کر میری بنی ہے وہ میری کبھی نہیں بن سکتی
خواہ وہ کتنی ہی خوبصورت اور سگھڑ ہو' وہ اس سے نفرت کے سوا کچھ
نہیں پاسکتی!

میں رو ہانسی ہوگئی' میں نے کہا۔

پھر کیا کروں؟ وہ تو پیچھے پڑا ہے، کسی طرح نہیں مانتا۔

نہیں مانتا؟

نہیں!

میں ایک ترکیب بتاتی ہوں:

اور پھر اس نے کہا

اب اگر وہ اصرار کرے تو تم اس سے کہنا میں تیار ہوں، لیکن وقتی طور پر
ں، مستقل طور پر مجھ سے شادی کرلو، تمھارے لئے میں ساری دنیا کو چھوڑ
ں گی، ماں باپ کو، بھائی بہن کو خاندان کو، وطن کو، سب کو، لیکن تم اتنا
ردو کہ میرے بن جاؤ۔

میں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا:۔

اور اگر وہ راضی ہو جائے؟

بس پھر فوراً شادی کرلینا ——— اگر سچی محبت کرتی ہو تو شادی
تامل کیوں ہے؟

تامل تو نہیں، لیکن ———

لیکن ویکن کچھ نہیں!

پھر کیتھرائن کہنے لگی،

ہم خاندانی اور شریف لڑکیوں کا یہ دستور ہے کہ شادی سے قبل
ب معاشقے کرتے ہیں، رومان لڑاتے ہیں، بوس وکنار سے لطف اندوز
تے ہیں، لیکن اس منزل سے آگے نہیں بڑھتے اور اس میں مصلحت یہ
ہے کہ دل کے ولولے مردہ نہیں ہونے پاتے اور مستقبل بگڑنے نہیں پاتا
ہر ہمیں ایک امانت دار بیوی پاتا ہے!

پھر کہنے لگی :-

اگر اس سے اچھی طرح بنتی ہے، تو گزار دیتے ہیں، نہیں بنتی تو کھل کر
ہیں، طلاق لے کر دوسرا شوہر کرنے میں کوئی عیب نہیں لیکن پہلے شو
کے پاس بے آبرو ہو کر، بہت بُرا ہے :

مس ہاٹلی والا نے کہا

کیتھرائن کی یہ بات میں نے گرہ میں باندھ لی اور کنویں میں گرتے گرتے
میں نے پوچھا

پھر رچرڈ سے تم نے کیا کہا ؟

وہ بولی :-

اس کے اصرار پر میں نے کہا شادی کر لو، وہ مجبوریاں بیان کرنے لگا
دل اسی وقت کھٹا ہو گیا، میں نے کہا پھر چلتے پھرتے نظر آؤ۔

پھر کیا ہوا ؟

وہ روٹھ کر چلا گیا، تم روٹھے ہم چھوٹے، میں خوش خوش کیتھرائن کے
پاس آئی اور اُسے اپنا ماجرا سنا دیا وہ بھی بہت خوش ہوئی، میں نے بھی کہا
اچھا ہوا —

مس ہاٹلی والا کے یہ انکشافات بڑے دلچسپ تھے، میں نے پوچھا

پھر کسی رچرڈ سے پالا نہیں پڑا ؟

وہ مسکرا کر بولی :-

کیوں نہیں، بہتوں سے !

تمھارا جواب ؟

وہ ہی ایک جو تم سن چکے ہو ابھی !

محمود یہ باتیں سنکر سرد پڑ گیا، اس نے دل ہی دل میں کہا عجیب عورت سے پالا پڑا ہے، پہلا شکار، اور اتنا چالاک، کچھ دیر خاموش رہ کر اُس نے کہا

تو پھر کیا فیصلہ ہے اس خادم کے بارے میں!

مس بالٹی والا نے کہا

تم واقعی مجھے چاہتے ہو؟

ہاں، دل و جان سے، اور تم؟

وہ بولی

اگر میں سچ کہہ دوں گی تو آپ اور زیادہ اترانے لگیں گے۔

بالکل نہیں —————— کہو سچ کہو!

وہ شرماتی ہوئی بولی

ہاں

پھر یہ تکلف کیوں؟

اگر تم چاہتے ہو، تو میں شادی کر سکتی ہوں۔

وہ بے تاب ہو کر بولا

کرلو گی مجھ سے شادی؟

کیوں نہیں، محبت جو کرتی ہوں، تم بھی تو کرتے ہو!

ہاں کرتا ہوں۔

اگر سچے ہو تو شادی کرلو!

ضرور کروں گا بتاؤ کب؟

جب چاہو۔

اور تمھارے والد؟

وہ میرے معاملات میں دخل نہیں دیتے۔

محمود ان باتوں سے بہت خوش ہوا، اس نے طے کر لیا کہ وہ مس باٹلی والا سے شادی کرے گا، وہ دل ہی دل میں نئے نئے نقشے بنانے لگا، آہا۔ اس شادی کی خبر سنکر ریحانہ کتنی جلے گی، حرامزادی یہ سمجھتی تھی کہ ساری دنیا میں وہی اکیلی عورت ہے، وہ مجھے داغ جدائی دے دے گی تو کوئی دوسری عورت میرے پہلو کی زینت نہیں بنے گی میں یوں ہی لنڈورا رہ جاؤں گا، کوئی غیر جانبدار آدمی اگر جج ہو اور مقابلۂ حسن میں مس باٹلی والا اور ریحانہ کو ایک ساتھ بٹھا دیا جائے تو ریحانہ منہ کی کھائے گی، کہاں وہ کہاں مس باٹلی والا اس کا حسن ہر کوئی وقعت نہیں رکھتا، مس باٹلی والا کے سامنے وہ سانولی ہے۔ یہ گوری ہے۔ وہ میانہ قد ہے، یہ کشیدہ قامت ہے، وہ تالاب کی مینڈک ہے وطن سے نکلی بمبئی آگئی یہ جہانیاں جہاں گشت ہے۔ لندن، پیرس، برلن، دلی، سوئزرلینڈ، نیویارک نجانے کہاں کہاں گھوم چکی ہے، وہ بدچلن ہے کتنی آسانی سے مظفر کو اپنی آبرو دے بیٹھی، یہ اونچے کیریکٹر کی مالک ہے خود محبت کرتی ہے میری محبت کا اعتراف کرتی ہے پھر بھی کیا مجال ہے جو کبھی حد سے آگے بڑھنے دیا ہو، مس باٹلی والا میری رفیقۂ حیات بن کر میرے اجڑے ہوئے گھر کو آباد کر دے گی، میرے ویران دل کی رونق بن جائے گی۔ میری کمھلائی ہوئی امنگیں، اور مرجھائی ہوئی آرزوئیں پھر سے تازہ ہو جائیں گی، پھر سے جوان بن جائیں گی۔ لوگ میرا مذاق اڑاتے ہیں مجھ پر زہر خند کرتے ہیں، مجھے بدقسمت انسان سمجھتے ہیں، لیکن جب مس باٹلی والا میرے کاشانے کی رونق بنے گی تو یہی لوگ مجھ پر رشک کریں گے اور کہیں گے محمود ایک ہی جست میں سب سے بازی لے گیا اس نے ریحانہ کو کھو دیا، لیکن مس باٹلی والا کے حسن جہاں

کا مالک بن گیا۔ اب میں ریحانہ کے سامنے جاتے ہوئے جھجکتا ہوں، کتراتا ہوں، لیکن مس باٹلی والا کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر، ہر دیس میں جاؤں گا، ہر جگہ میں پہنچوں گا ہر کمپنی کا چکر کاٹوں گا، تاکہ لوگ دیکھیں اور ریحانہ سے تذکرہ کریں، تاکہ ریحانہ خود دیکھے اور جل کر بھسم ہو، پھر اُسے اندازہ ہو گا کہ مجھے دھوکا دے کر اس نے کتنی بڑی غلطی کی ہے، پھر وہ جانے گی کہ میں اُسے چھوڑ کر نقصان میں نہیں رہا، فائدہ میں رہا۔

چند سیکنڈ کے اندر اندر یہ سارے خیالات محمود کے دماغ میں چکر کاٹ گئے، مس باٹلی والا بدستور ایک حسین بت کی طرح سامنے بیٹھی ہوئی تھی، نیم عریاں لباس پہنے تھی اور ماہرین نفسیات کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ نیم عریانی مکمل عریانی سے زیادہ کشش انگیز ہوتی ہے۔ محمود اس کشش سے بری طرح مسحور ہو رہا تھا، لیکن مس باٹلی والا نے اس پر پابندی لگا دی تھی، اب وہ اپنے خیالات کی دنیا سے نکل کر، پھر مس باٹلی والا کی طرف متوجہ تھا، اور اُسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا، وہ اس کا انداز نظر سمجھ گئی اور ویسے ہی بیٹھے بیٹھے شرم کی کیفیت اپنے اوپر طاری کئے بغیر بولی۔

"یہ کس طرح مجھے دیکھ رہے ہو، ڈر لگتا ہے؟

محمود نے بیتاب ہو کر اس سرحد میں پھر قدم رکھا، جہاں داخلہ کی اجازت مل چکی تھی اور اس کے رخسار و گلو کو بھنجوڑ رکھا یا، مس باٹلی والا نے کوئی مزاحمت نہیں کی، اور جو حد مقرر کر چکی تھی اس حد تک ہمہ تن سپردگی بنی رہی آخر محمود نے پوچھا،

تو اس فیصلہ پر عمل درآمد کب ہو گا؟

جب تم چاہو۔

اور وہ مسکرانے لگی، محمود نے کہا

کل سہی!

اوہ، اتنی جلدی؟ کچھ مہلت تو دو!

مہلت کی کیا ضرورت ہے؟ کر اکیلے ہوگا، جس کے لئے مہلت مانگ رہی ہو؟

پھر بھی، ڈیڈی کو یہ خبر سناؤں گی، بجلی بن کر گرے گی یہ خبر اُن پر، پھر انھیں مناؤں گی، راضی کروں گی، پارسی عورتیں اگر کسی انگریز یا اینگلو انڈین سے عشق لڑائیں، اور بدچلن بھی ہوجائیں تو کوئی ان پر اعتراض نہیں کرتا۔ لیکن ایک طرح کا فخر محسوس کرتے ہیں ہم لوگ کسی ہندو یا مسلمان سے اگر معاشقہ کریں، تو فوراً ذات برادری کا سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے!

محمود کے سارے ہوائی قلعے منہدم ہوگئے، اس نے بجھی ہوئی آواز میں کہا

یہ تو پھر ایک ہمالیہ کھڑا کر دیا تم نے راستے میں!

وہ کھسک کر اور قریب آگئی، محمود کے خوبصورت بالوں سے کھیلنے لگی۔

اوہو، تو تم گھبرا کیوں گئے؟

یہ لو، تو کیا شادیانے بجاؤں؟

وہ شفقت آمیز لہجہ میں بولی!

میں تم سے وعدہ کر چکی، میں تمھاری ہو چکی اب دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتی، میں تمھاری ہوں اور تمھاری ہی رہوں گی۔

بڑے بھولے پن سے محمود نے کہا

پھر تم نے ڈرا کیوں دیا مجھے؟

وہ ہنسنے لگی۔

یہ لو ڈرا دیا انھیں، یہ اتنے بچے ہیں کہ ڈر گئے!

اور کیا۔

میں ذمّہ لیتی ہوں تمام مشکلات پر غالب آجاؤں گی، لیکن تھوڑی
لت دو!

کتنی؟ ـــــــــ کم سے کم بتانا!

اچھا کم سے کم بتاتی ہوں ـــــــــ صرف ایک ہفتہ!

وہ خوشی سے اچھل پڑا۔

منظور!

وہ بھی اسی جوش سے بولی

منظور

محمود نے کہا

آج دس تاریخ ہے!

وہ بولی

ٹھیک ہے، ۱۸ر کی شام کو، میں تمھارے گھر میں ہوں گی ـــــ لیکن
ریں نہیں، اس گھر میں تو میرا دم گھٹتا ہے، کوئی اچھا سا فلیٹ ہو
ڈر ایریا یا ورلی پر سمجھے!

ہاں سمجھ گیا، اس کی فکر نہ کرو چاہے جتنی پگڑی دینا پڑے فلیٹ میں
ں گا۔

وہ مسکراتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔

شکریہ

محمود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

لیکن اب بات سے پھر نہ جانا۔

ہرگز نہیں!

تاریخ یاد رکھنا!

یاد رکھوں گی!

بتاؤ کون سی تاریخ طے ہوئی ہے۔؟

اس بیتابی پر وہ مسکرادی، اس نے محمود کے گالوں کو پیار سے تھپ[کتے]
ہوئے کہا

- ناٹی بوائے ـــــــــــــــ ۱۸

پھر وہ گھڑ

پھر وہ گھڑی دیکھکر بولی

اوہ دس بج گئے، اب میں جاتی ہوں!

چلو تمہیں گھر تک پہنچا دوں!

چلو

دونوں نیچے اترے، محمود نے ایک ٹیکسی پکڑی اور مس باٹلی والا[کے]
ہمراہ نیپئن سی روڈ کی طرف روانہ ہوگیا، راستہ بھر وہ اُسے پریشان کرتا
چھیڑتا رہا اور وہ خاموشی سے پریشان ہوتی رہی، اُسے پہنچاکر وہ پھر کر[کٹ]
کلب آف انڈیا کے شان دار کمرے میں پہنچا، یہ کمرہ ابھی تھوڑی دیر[پہلے]
اس کی دلچسپیوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ لیکن جب سے مس باٹلی والا نے اُ[سے]
ناپسند کیا تھا، اس کی وقعت کم ہوگئی تھی۔ اب یہاں بیٹھے ہوئے ا[س کی]
طبیعت بجھ رہی تھی وہ چاہتا تھا ایک شان دار فلیٹ ہو، بالکل آراس[تہ]

ـــتہ اس میں مس باٹلی والا، مسز محمود بن کر آئے۔

ان خیالات نے زیادہ ترقی کی تو وہ کمرے میں اٹھ کر ٹہلنے لگا، آخر ے ضبط نہ ہوا، اس نے ٹیلیفون اٹھایا اور مکانات کے ایک دلّال کو

ہلو، ہلو

ہاں، میں محمود بول رہا ہوں، مجھے جلد از جلد ورلی، یا میرین ڈرائیو بہترین فلیٹ چاہئے ـــــــ پگڑی کی تم پرواہ نہ کرو، لیکن ایسا ہو کہ میں دیکھ کر پھڑک جاؤں ـــــــ تمھاری خدمت سے کروں گا، بالکل مطمئن رہو ـــــــ کل دکھاؤ گے؟ـــ

ـــــ ہاں چار بجے کا وقت ٹھیک رہے گا، لیکن چار بجے تو بہت دیر ئے گی، صبح کیوں نہیں دکھاتے؟ میں کل اس پر قبضہ کر لینا چاہتا اُسے آراستہ پیراستہ کرنے میں بھی کچھ دن لگیں گے ـــــــ ۹ بجے صبح کا وقت ٹھیک رہے گا، تم یہیں کرکٹ کلب آف انڈیا میں ذ ـــــــ چھوڑو ناشتے کو، ناشتہ میرے ساتھ کر لینا!

ٹیلیفون بند کر کے محمود پھر ٹہلنے لگا، اگر اس وقت اس کے قبضہ میں لیلہ کے علاء الدین کا چراغ ہوتا تو یہیں کرکٹ کلب آف انڈیا کے سے ایک عالی شان محل کھڑا کر دیتا جسے دیکھ کر دنیا حیران ہو جاتی اور باٹلی والا خوش ہو کر اُسے اپنے کلیجہ سے لگا لیتی، لیکن اس کے پاس غ نہیں تھا، اور وہ صرف یہی سوچنے پر قناعت کر رہا تھا کہ دلّال جو مکان دکھائے گا، وہ کیسا ہو گا ـــــــ کتنا اچھا بڑا اچھا!ـ

دورِ نشاط

ایک ہفتہ کی مدت پلک جھپکتے گذر گئی، لیکن محمود کے لئے یہ د
برس بن گئے، ورلی پر اُسے ایک بہت عمدہ مختصر سا اور خوبصورت
مل گیا، پانچ ہزار روپے، پگڑی کے دینے پڑے، لیکن اس کے ما
شکن تک نہ آئی پانچ ہزار سے زیادہ آرائش پر خرچ ہوگئے اور ا
نے بڑی خندہ پیشانی سے یہ خرچ برداشت کر لیا، جب تک وہ مظ
کے یہاں رہا، سارا خرچ خانگی زندگی کا مظفر کے ذمّہ تھا، ریحانہ کی
خود اس کی پوری تنخواہ بینک میں چلی جاتی تھی اب وہ ایک دوسری ف
کمپنی میں کام کر رہا تھا، یہاں بھی اُسے تقریبًا اتنی ہی تنخواہ مل رہی
جتنی مظفر کے ہاں کافی روپیہ اس نے پس انداز کر لیا تھا اور اب
اُسے خرچ کرنے کا پروگرام بنا رہا تھا، اس پروگرام کی پہلی دفعہ یہ تھی کہ
مون منانے کے لئے وہ کم از کم ایک مہینہ کے لئے کشمیر ضرور جائے گا۔

بہر حال وقت مقررہ پر مس باٹلی والا، اور محمود کی شادی ہوگئی۔ دو
اپنے اپنے مذہب پر قائم تھے۔ دونوں نے سول میرج کی بناہ لی تھی
سے محمود نے اب مس باٹلی والا کو فیروزہ کہنا شروع کر دیا تھا۔ نام پا
سے ملتا جلتا تھا۔ اس لئے اس نے بھی بڑی خوشی سے قبول کر لیا تھا
کے والد کثیر العیال آدمی تھے، پھر بھی انھوں نے اس شادی پر کئی ہزا

روپیہ خرچ کردیا، وہ ہنسی خوشی، ہنستی کھیلتی، سٹر باٹلی والا کے دولت کدہ سے محمود کے بنگلہ پر آگئی، بنگلہ بڑا شاندار تھا، ویسا ہی جیسا فیروزہ چاہتی تھی، محمود نے شرارت یہ کی تھی کہ فیروزہ کو یہ تو بتا دیا کہ میں نے مکان لے لیا ہے، لیکن یہ نہیں بتایا کہاں لیا ہے؟ اور کیسا ہے؟ اب جو فیروزہ یہاں آئی اور اس نے مکان کو دیکھا تو بہت خوش ہوئی، کہنے لگی۔

ڈارلنگ، مکان واقعی بہت اچھا ہے۔

وہ شریر آنکھوں سے اُسے دیکھتا ہوا بولا

اور میں؟

تم بھی

لیکن تمھارے آگے دونوں ہیچ ہیں ——— اس مکان کی رونق تمھارے دم سے ہے، میرا وجود بغیر تمھارے بیکار ہے!

فیروزہ منہ بنا کر بولی

پھر وہی شاعری! ——— اور ہاں کشمیر کب چلوگے!

بہت جلد، شاید ایک ہفتہ میں۔

لیکن اتنی دیر میں کیوں؟ آج کیوں نہیں کل کیوں؟

ڈارلنگ تم سمجھتی نہیں ——— اس شادی کی خوشی میں بہت بڑی دعوت کرنی ہے مجھے، اس دعوت پر ہزاروں روپیہ خرچ کروں گا دوست بھی تقاضہ کر رہے ہیں، اور میرے دل کی امنگ بھی یہی کہہ رہی ہے!

فیروزہ خوش ہوگئی۔

کسے کسے بلاؤ گے؟

سب کو

آخر کس کس بلاؤ گے ؟

ساری کمپنی کو، تمام فلمی دنیا کو

وہ شرارت سے مسکرائی ۔

منظفر کو ؟

منظفر کو بھی

اور ریحانہ کو

اُسے بھی! ــــــــــ فیروزہ یقین کرو، ان دونوں کو بلاؤں گا

میں چاہتا ہوں یہ آئیں !

یہ کیوں چاہتے ہو ؟

تاکہ یہ جلیں، منظفر دیکھے، کہ میں نے گھٹیا چیز دے کر کتنی بڑھیا چیز پائی ہے اور ریحانہ محسوس کرے کہ دنیا میں اس سے بھی زیادہ حسین و خوب رو، صورتیں اللہ نے بنائی ہیں اور یہ بھی محسوس کرے کہ اس سے الگ ہو کر میں کتنا خوش ہوں، اب جو دنیا میں نے بسائی ہے، کتنی اچھی ہے ؟

لیکن وہ آئیں گے کیوں ؟

نہ آئیں ــــــــــ لیکن میرا دعوت نامہ پاکر اور میری شادی کی خبر سُن کر، انھیں اتنی ہی تکلیف ہوگی، جتنی یہاں آکر ہوتی ۔

اور واقعی شادی کے تیسرے دن جب محمود نے بڑے وسیع پیمانہ پر دعوت کی تو جن لوگوں کو خاص طور پر بلایا اُن میں منظفر اور ریحانہ بھی تھے دعوت بہت کامیاب رہی، فلمی دنیا کے تقریبًا تمام ممتاز افراد اس میں شریک ہوئے تھے اور لوگوں کو عام طور پر، محمود اور فیروزہ کو خاص طور پر بہ دیکھکر

رت ہوئی کہ ان شریک ہونے والوں میں منظفر بھی ہے، لیکن تنہا، ریحانہ
کے بغیر!

منظفر ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، کیوں نہ لیا جاتا، ایک بہت بڑی فلم
پنی کا مالک تھا، بہت سے لوگوں کے اس سے اغراض وابستہ تھے،
ہت سے لوگ اس کی نگاہ لطف کے متمنی رہتے تھے، محمود کی طرف وہ
ود بڑھا اس سے بغل گیر ہوا، اور بڑے تپاک سے ملا، پھر اس نے فیروزہ سے
مصافحہ کیا اور ہیرے کی ایک انگشتری جو کسی طرح تین چار ہزار سے کم
نہ ہوگی بطور تحفہ کے پیش کی، فیروزہ کشمکش میں پڑ گئی لے یا نہ لے؟ محمود دیکھ
رہا تھا اور خاموش تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، منع کر دے یا خاموش
رہے، منظفر اس ذہنی کشمکش کو سمجھ رہا تھا اور دل ہی دل میں لطف لے رہا
تھا، اس نے پوری بے باکی کے ساتھ فیروزہ کی انگلی میں انگوٹھی پہناتے
ہوئے کہا۔

آپ میری بھابی ہیں، محمود میرے بھائی ہیں، آپ کو یہ حقیر تحفہ قبول
کرنا ہوگا!

انگوٹھی فیروزہ کی انگلی میں پہنچ چکی تھی، معاملہ اب قابو سے باہر ہو چکا
تھا، نہ فیروزہ کچھ کر سکتی تھی، نہ محمود، اگرچہ محمود دل ہی دل میں آگ بگولہ
ہوا جا رہا تھا اور فیروزہ بھی کچھ خوش نہ تھی، ان دونوں نے سوچا یہ تھا
منظفر کو بلائیں گے، نہ آیا تو بھی جلے گا، اور اگر قسمت کا مارا آگیا تب تو جل
کر بھسم ہو جائے گا، لیکن ہوا بالکل برعکس وہ ذرا بھی مغموم نہ تھا اس کے
چہرہ پر کدورت کی کوئی علامت نہیں تھی، خوش تھا، بہت خوش، باغ باغ ہوا
جا رہا تھا، وفور مسرت سے ہر شخص سے ہنس ہنس کر اور مسکرا مسکرا کر باتیں کر

رہا تھا، جیسے اسے صدمہ کچھ بھی نہیں خوشی بہت ہے اور محمود لاکھ لاکھ ضبط کر رہا تھا۔ لیکن مارے غصہ اور برہمی کے بے حال ہوا جا رہا تھا۔ اگر اس کے ہاتھ میں اس وقت پستول ہوتا تو یقیناً انجام کی پروا کئے بغیر وہ منظر کو قتل کر دیتا، لیکن وہ بے بس تھا، اس کا بس چلتا تو وہ منظفر کا گلا گھونٹ کر اُسے ہلاک کر دیتا، لیکن وہ یہ بھی نہیں کر سکتا تھا بے بس تھا، جیسے اعصابی مریض، کہ خودکشی کرنا چاہتا ہے، لیکن موت کی دہشت سے خودکشی نہیں کر پاتا، وہ منظفر کو مار ڈالنا چاہتا تھا لیکن رسوائی کی دہشت سے خاموش تھا، بالکل چپ، گم صم!

جب تک منظفر نہیں آیا تھا، محمود بہت خوش تھا، بات بات میں خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی، لیکن منظفر کو دیکھ کر اسے سانپ سونگھ گیا نہ اُس سے بات کی جا رہی تھی، نہ اس جشن مسرت میں حصہ لینے کا جی چاہ رہا تھا کسی اور کے ہاں یہ تقریب ہوتی تو وہ کوئی بہانہ کر کے اٹھ آتا، لیکن یہ تقریب تو اسی کی یہ تھی، یہ سب لوگ اس کی دعوت پر آئے تھے اب وہ کیسے چلا جائے؟ برات موجود اور دولھا غائب، کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ کہیں ایسا بھی ممکن ہے؟ ہاں وہ یہ ضرور چاہتا تھا کہ جلد از جلد جشن ختم ہو جائے اور لوگ خیریت کے ساتھ واپس چلے جائیں، یا کوئی ایسا حادثہ ارضی و سماوی واقع ہو جائے کہ یہ سارا بنگلہ غرق زمین ہو جائے، مع حاضرین کے، مع فیروزہ کے، محمود اور منظفر سمیت، لیکن ایسا ہونا بھی نظر نہیں آ رہا تھا، جشن کا سلسلہ جاری تھا، اور اس جشن کا طویل پروگرام خود اسی نے بنایا تھا، اس میں دعوت بھی تھی اور رقص و موسیقی بھی اس پروگرام کو وہ لاکھ مختصر کرتا، لیکن کہاں تک؟

محمود اسی کشمکش میں تھا کہ خود مظفر نے اس کی مشکل آسان کر دی، وہ دعوت میں شریک ہوا، جب ناچ رنگ کی باری آئی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور سیدھا محمود کے پاس پہنچا۔

شوٹنگ کا پروگرام پہلے سے طے ہو چکا ہے، لہٰذا اب اجازت چاہتا ہوں، لیکن آپ کو اور بھابی کو میرے غریب خانہ پر ایک دن آنا پڑے گا' یہ ابھی سے کہے دیتا ہوں!

محمود ابھی کوئی جواب نہ دینے پایا تھا کہ مظفر چلا گیا، اس کے چلے جانے سے محمود کو ایسا معلوم ہوا، جیسے بہت بڑا بوجھ سینے سے اتر گیا، وہ اب لوگوں سے آنکھ ملا سکتا تھا، آنکھ ملا کر بات کر سکتا تھا اگردن اٹھا کر دیکھ سکتا تھا سب کو، اور مظفر کی موجودگی میں تو خود بخود اس کی گردن جھکی جا رہی تھی، خود بخود اس کی آنکھیں نیچی ہوئی جا رہی تھیں خود بخود ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بھرے مجمع میں کسی نے اُسے جوتے مار دیئے ہیں اور اب وہ کسی کا سامنا نہیں کر سکتا، لیکن مظفر کے جانے کے باوجود اس کا اضمحلال جوں کا توں قائم تھا، دل پر افسردگی کی جو کیفیت قائم ہو گئی تھی وہ دور ہونے کا نام نہیں لیتی تھی وہ کچھ کھویا کھویا سا تھا۔ فیروزہ کو اپنا کر اس نے وہ ساری خوشیاں حاصل کر لی تھیں جن کا تصور کیا جا سکتا ہے، لیکن مظفر کو دیکھ کر وہ تمام غم ابھر آئے جو اس کے لاشعور میں موجود تھے، جیسے پُروا ہوا چلتی ہو تو پرانی اور بھولی ہوئی چوٹیں اُبھر آتی ہیں۔ مظفر اس دعوت میں محمود کے پرانے زخموں کے لئے پُروا ہوا بن کر آیا تھا، نامراد، خود مزے لوٹ رہا ہے اور مجھے انگاروں پر لٹا رہا ہے۔ لیکن مجھے کیا، ریحانہ میری نہیں ہے میں اس سے نفرت کرتا ہوں، وہ خود چاہے تو بھی میں اس کی طرف رُخ

کھی نہ کروں، وہ ذلیل ہے، آبرو باختہ ہے، ننگِ خاندان ہے۔ میرے لئے تلافیٔ مافات ہوگئی۔ مجھے فیروزہ مل گئی، ایک نئی دنیا، کتنی سہانی کتنی روپ وتی، کتنی ——

محمود کا رنگ پھر بحال ہوگیا، اور وہ پھر ہنستا کھیلتا محمود بن گیا جو ریحانہ کو بھلا چکا تھا، مظفر کو فراموش کر چکا تھا، جسے صرف اپنا وجود یاد تھا یا فیروزہ کا!

ترکی بہ ترکی

مظفر گھر پہنچا، ریحا دچشم براہ بیٹھی تھی، اُسے دیکھتے ہی پوچھنے لگی۔
ہو آتے ؟
اس نے ہیٹ سر سے اتار کر دور پھینکا اور کہا
ہاں ہو آیا۔
کوئی نئی بات ؟
ہاں، بہت سی!
وہ اس کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔
تو کہو نا!
کہتا ہوں میری جان ——— تم اتنی بے قرار کیوں ہو؟ کیا تمھیں محمود کی شادی سے صدمہ ہوا؟
صدمہ ہوتا ہے میری پیزار کو، یہ لو! ان کی سنو!
پھر کیوں اتنے اشتیاق سے پوچھ رہی ہو!
یوں ہی!
مظفر آرام سے صوفے پر بیٹھ گیا، ریحانہ بھی پاس آکر بیٹھ گئی، وہ خاموش تھی، مظفر نے کہا۔
دعوت ہوئی، بڑے دھوم دھام سے ہوئی، بہت سے لوگ جمع

تھے ' اور جناب میں جو پہنچا، تو قیامت آگئی ، ہل چل مچ گئی ، کس شیر کی آمد ہے کہ دن کانپ رہا ہے اور جناب ———

تو یہ کہہ بھی چکو!

مجھے دیکھتے ہی مس باٹلی والا یعنی فیروزہ ، یعنی مسٹر محمود تو چندھیا گیئں ، جیسے چمگادڑ ذرا سورج کو دیکھکر جائے۔

ریحانہ ہنسنے لگی

توبہ اللہ، بس مذاق سہ کئے جائیں گے، کہیں گے کچھ نہیں!

مذاق کی بات مذاق ہی میں کہی جاتی ہے ——— اور جناب محمود صاحب نے جو مجھے دیکھا تو بھبوکا بن گئے ، لیکن میں کوئی ناخواندہ مہمان تو تھا نہیں، زبردستی مسکراتے ، مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا میں نے بڑھکر گلے سے لگالیا۔ بس چلتا تو میرا گلا گھونٹ دیتے، لیکن ہائے ری بے بسی ـــ

وہ مسکرائی

ہاں، پھر؟

تمام لوگوں کی نگاہیں مجھ پر پڑ رہی تھیں اور اس برات کا اصل دولھا میں بنا ہوا تھا، پھر میں نے کیا کیا ———

اونھ! کہو نا کیا کہا تم نے؟

اجی پھر بتا دیں گے، اب تو نیند آ رہی ہے!

اللہ قسم، جو میں سونے دوں، کہو، کیا کیا تم نے؟

ارے چھوڑو بھی اس قصہ کو میں بھول بھی گیا، لیکن کچھ کیا ضرور تھا!

ریحانہ روٹھ کر اٹھ کھڑی ہوئی، مظفر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس

لیا، اور کہا۔
ارے تم تو خفا ہوگئیں۔
وہ خفگی کے لہجہ میں بولی
خفا ہونے کی کیا بات ہے، کوئی زبردستی تو ہے نہیں!
کیوں نہیں ہے، اچھا سنو!
ریحانہ پھر بیٹھ گئی، منظفر نے کہا
پھر میں نے یہ کہا کہ ایک چمکتی ہوئی چکا چوند کردینے والی ہیرے
انگشتری جھٹ سے فیروزہ کی انگشت حنائی میں پہنا دی۔
منظفر اپنی اس جرأت پر قہقہہ مار کے ہنسا اور کہنے لگا۔
خدا کی قسم ایسا جلا ہے، ایسا جلا ہے کہ کیا کہوں؟ کیمرہ ہوتا تو تصویر
لے لیتا —!
ریحانہ نے پوچھا۔
اور فیروزہ نے پہن لی؟
یہ لو، نہ پہنتی تو کیا کشتی لڑتی مجھ سے؟
بڑی بے غیرت ہے!
بے غیرت تو خیر ہے، آگے چل کے اور ہو جائے گی، لیکن اس موقع
وہ کر بھی کیا سکتی تھی؟ بڑا نفسیاتی مرحلہ تھا —— دوسو آدمیوں
کے مجمع میں کوئی ایسی ویسی بات تو وہ کہہ نہیں سکتی تھی —! سر جھکاتے
ی بنی!
ریحانہ نے خوش ہوکر پوچھا،
بہت جلے ہوں گے!

ہاں، بالکل کباب سیخ کی طرح!

دونوں ہنسنے لگے، تھوڑی دیر کے بعد، مظفر نے کہا

اب میں جلاؤں گا یار کو!

وہ کس طرح؟

ہماری تمھاری شادی کا جشن رہے!

ہاں تو؟

بلاؤں گا، فیروزہ کو اور محمود کو، آؤ، دوستو آؤ، یہ ناٹک کبھی دیکھ
سکتے ہو، تو دیکھ جاؤ۔

وہ پھر قہقہہ مار کر ہنسا، اور کہنے لگا

میں تو اس کی اور فیروزہ کی شادی میں دراتا ہوا مردانہ وار پہنچ گ
اب دیکھنا ہے وہ ریحانہ اور مظفر کی شادی میں آتا ہے یا نہیں۔
ریحانہ کو کوئی تحفہ دیتا ہے یا نہیں؟ مجھے کلیجہ سے لگاتا ہے یا نہیں

لوج خدا نہ کرے!

کیا خدا نہ کرے!

میں تو نہیں بلاتی، کسی کو نہ فیروزہ کو

تم نہ بلاؤ، میں بلاؤں گا، میری طرف سے دعوت نامہ جائے گ

یہ شرارت مجھے ایک آنکھ نہیں پسند!

بھئی تمھارا کیا ہے، ریحانہ ہم جانیں ہمارا دوست جانے، خوا
مخواہ ٹانگ اڑا رہی ہو۔

ریحانہ نے پوچھا

لیکن وہ دن آئے گا کب؟ مجھے تو اب لوگوں کے سامنے جا

ہوئے بڑی شرم آتی ہے۔ کمپنی والے اور باہر والے ——— یہی سمجھتے ہوں گے کہ ہمارے ناجائز تعلقات ہیں!

تم تو بے وقوف ہو ریحانہ!

ٹھیک ہے۔ یہی کہہ لو!

دیکھو نا، ہمیں دنیا کیا دیتی ہے جو چھین لے گی، ہم دنیا کی پروا کب کرتے ہیں؟ دنیا نے ہمارا کیا بگاڑا ہے؟ دنیا جلتی ہے اور ہم مزے کرتے ہیں۔!

باتیں دل خوش کن ہیں، لیکن صرف ایک مرد کے نقطۂ نظر سے!

اور عورت کے نقطۂ نظر سے؟

تکلیف دہ، کیوں؟

اور کیا؟

اچھا بھئی تمھارا یہ شکوہ ختم کئے دیتے ہیں آج جمعرات ہے کل جمعہ کا مبارک دن ہے، کل ہمارا تمھارا باقاعدہ نکاح ہو جائے گا!

بتاؤ اب تو ہو ہیں خوش؟

ریحانہ کا چہرہ تمتما اٹھا، وہ کچھ شرما سی گئی، اور اُسے خوشی بھی بہت ہوئی اس نے محمود کو کھو کر مظفر کو حاصل کیا تھا، لیکن شادی کے بغیر وہ ہمہ عاشقاں برشاخ آہو سمجھ رہی تھی، خود اپنی نظر میں حقیر نظر آتی تھی، جو اُس کی طرف دیکھتا تھا وہ سمجھتی تھی، یہ حقارت کی نظر سے مجھے دیکھ رہا ہے، یہ میرا مذاق اڑا رہا ہے، یہ مجھے آوارہ اور بد چلن سمجھ رہا ہے آخر مجھ میں اور ایک داشتہ میں، مجھ میں اور ایک طوائف میں کیا فرق ہے؟ اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ اس کا دروازہ سب کے لئے کھلا رہتا ہے اور میں صرف مظفر کے لئے وقف ہوں، اگر مظفر واقعی مجھ سے محبت کرتا ہے تو وہ شادی کیوں نہیں کرتا؟ کیوں

مجھے ساری خلقت کی نظر میں حقیر اور ذلیل بنا کر چھوڑ دیا ہے اس نے؛ جب یہ خیال زیادہ شدت اختیار کرتا تھا، تو وہ مظفر سے الجھ پڑتی تھی. کئی دفعہ دونوں میں اس سوال پر اَن بَن ہو گئی لیکن مظفر نے ہاتھ جوڑ کے اور خوشامد کر کے، اور قسمیں کھا کے اُسے منا لیا، من جانے کے سوا اس کے لئے کوئی اور چارہ کار بھی نہ تھا، لیکن ایک یہ کھٹک تھی جو برابر اس کے دل میں چٹکیاں لیا کرتی تھی، لیکن اب یہ کھٹک دور ہو گئی تھی وہ. بہت خوش تھی، بے انتہا خوش، اس نے ایک ادا سے مظفر کی طرف دیکھا اور کہا:۔

جھوٹے کہیں کے !

مجھے جھوٹا کہہ رہی ہو ؟ یہ ظلم ؟

وہ ہنسنے لگی اور مظفر نے اُسے چھیڑتے ہوئے کہا

لیکن اگر محمود نے دعوٰی دائر کر دیا ؟

وہ مسکراتی ہوئی بولی

اب انھیں دعوے دائر کرنے کا حق کیا ہے ؟ طلاق تو دے چکے، لیکن یہ بتایئے، اگر عارفہ بیگم نے دعوے کر دیا تو آپ کیا کریں گے ؟

مظفر ذرا کھسیانہ سا ہو گیا اس نے مسکراتے ہوئے کہا

وہی جو محمود نے کیا، یعنی طلاق!

طلاق دینی ہے، تو دعوے کا انتظار کیوں ؟ یہ کانٹا نکال ہی کیوں نہ دو! مظفر نے کہا

ریحانہ، مجھ پر بھروسہ کرو، میں ضرور عارفہ کو طلاق دے دیتا، اور اگر ضرورت ہوتی تو دے بھی دوں گا، لیکن اگر گڑ سے مرے تو زہر کیوں

دوں — ؟

میں سمجھی نہیں۔

بات یہ ہے کہ طلاق دینے کے بعد ہزاروں شاخسانے نکلیں گے ہر کا دعویٰ، بچہ کا دعویٰ، رسوائی، بدنامی نہ جانے کیا کیا، لہٰذا اگر طلاق کے بغیر نکاح ہو جائے تو کیا ہرج ہے؟ رہا میں تو تم جانتی ہو تمھیں پوجتا ہوں، تمھارے سامنے عارفہ کا چراغ نہیں جل سکتا شادی کا فیصلہ تو اب ہوا ہے، لیکن جس دن سے محمود گیا ہے اور تم سچ مچ میری بنی ہو، بینک میں میرا تمھارا جوائنٹ اکاؤنٹ ہے کمپنی کے تمام کاغذات پر بحیثیت پروڈیوسر کے تم دستخط کرتی ہو، ملازمین اور فن کاروں کے تقرر اور برخاستگی میں تمھاری رائے قطعی اور آخری ہوتی ہے، آخر اب وہ کون چیز میرے قبضہ میں رہ گئی ہے جس پر عارفہ آ کر قابض ہو جائے گی؟ اور میں تمھیں یقین دلاتا ہوں، وہ کسی قیمت پر بھی نہیں آئے گی!

یہ کیسے جانا آپ نے؟

یہ اس طرح کہ انجان صاحب اُسے لکھ چکے ہیں کہ میری تمھاری شادی ہونے والی ہے، اور اس کا جواب بھی آ گیا!

سراپا اشتیاق بن کر ریحانہ نے پوچھا

جواب آ گیا؟

ہاں آ گیا!

کیا؟ کیا آیا؟

اس نے بڑے مزے کی بات لکھی ہے؟

تو بتاؤ نا!

یہ دیکھو۔

مظفر نے عارفہ کا خط ریحانہ کے سامنے رکھ دیا انھوں نے مجھے لکھا تھا، ریحانہ نے جلدی جلدی پڑھنا شروع کیا۔

انجان صاحب! کوشش کر کے یہ شادی جلد کرا دیجئے اور مظفر و ریحانہ کو یقین دلا دیجئے، مجھے موجودہ صورت حال پر تو اعتراض ہے لیکن شادی پر اعتراض نہ اب ہے نہ آئندہ ہوگا، برا کام بھی اچھا بنا کے کرنا چاہئے، اور میں تو اسی دن راستہ سے ہٹ آئی تھی جس دن رتنا گیری آئی تھی، میری دلچسپی کے لئے میرا بچہ ہے، کتا بیں ہیں کالج کی لڑکیاں ہیں، کسی نہ کسی طرح وقت کٹ جاتا ہے اور دل بہل جاتا ہے، مظفر میری ضرورت نہیں محسوس کرتے، میں ان کی ضرورت سے بے نیاز ہو چکی ہوں، کبھی کبھی یوں ہی بھولے سے یاد آجاتے ہیں ورنہ میں نے اپنے تئیں اتنا مصروف بنا لیا ہے کہ یاد کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا، میرا یہ مستقل عقیدہ ہے کہ شادی باہمی رضامندی کا دوسرا نام ہے، اگر یہ رضامندی کسی ایک طرف سے بھی حاصل نہیں ہے تو شادی کو اپنے لوازم کے ساتھ باقی نہیں رہنا چاہیئے۔

آپ نے مجھ سے پوچھا ہے میں مہر کا دعویٰ اور طلاق کا مطالبہ تو نہیں کروں گی؟ میں نے مہر نہ معاف کیا ہے، نہ معاف کروں گی لیکن اس کا دعویٰ کروں؟ یہ کبھی نہیں کروں گی، اللہ کے فضل سے کافی تنخواہ پاتی ہوں، کم خرچ کرتی ہوں، زیادہ بچاتی ہوں پراویڈنٹ فنڈ الگ کٹ رہا ہے، ماں باپ لاکھ خفا سہی، لیکن وراثت سے محروم تو نہیں کردیں گے

آج یا کل ان کے ترکہ میں سے بھی اپنا حصّہ پاؤں گی، رہا بچّہ جو میرا سب سے عزیز سرمایہ ہے۔ انشاء اللہ اُسے بھی کسی طرح باپ کا دست نگر نہ بننے دوں گی۔ وہ اچھی طرح پڑھ رہا ہے، اس کے لئے معقول رقم جمع ہو رہی ہے اور وہ باپ کو بالکل بھول بھی چکا ہے میں اس کے سامنے باپ کا ذکر بھی نہیں کرتی، اطمینان رکھیئے میں طلاق کا مطالبہ بھی نہیں کروں گی خود مظفر اگر چاہیں تو انھیں روکوں گی بھی نہیں، لیکن اپنی طرف سے مطالبہ کروں، یہ نہیں ہوسکتا، وجہ بالکل صاف ہے، طلاق کا جو مقصد ہوتا ہے وہ تو اب بھی حاصل ہے، میرا مظفر سے تعلق نہیں، مظفر کو مجھ سے تعلق نہیں رسمی طور پر اگر یہ تقریب انجام دی جائے تو اس سے حاصل کیا ہوگا؟ سوا انگشت نمائی کے دوسرے یہ بھی سوچتی ہوں طلاق کے بعد بچہ بالکل بن باپ کا بن جائے گا اور میں اُسے باپ سے الگ اور بے تعلق تو رکھنا چاہتی ہوں، لیکن یہ احساس اس کے دل میں نہیں پیدا کرنا چاہتی کہ وہ اور باپ اب کبھی بھی مغائرت کی خلیج نہیں پاٹ سکتے، اس میں مجھ سے زیادہ خود مظفر کا فائدہ ہے بہرحال میری طرف سے اس سلسلہ میں نہ تقاضا ہے، نہ انکار خود مظفر جو مناسب سمجھیں کریں!

اس خط کے جواب کی ضرورت نہیں، اگر میں خود کوئی خط کبھی لکھوں، تو جواب دینے کی زحمت کیجئے گا، ورنہ نہیں!

ریحانہ نے یہ خط پڑھ لیا۔ لیکن اس کی وہ خوشی چھن گئی جو ابھی ابھی اس کے رگ وپے میں ساری تھی، ایک افسردگی سی چھا گئی اس پر، مظفر نے پوچھا!

پڑھ لیا؟

ہاں پڑھ لیا!

اب فرمائیے کیا رائے ہے؟

کاہے کے بارے میں؟

طلاق دوں عارفہ کو؟

تم جانو میں کیا بتاؤں؟

پھر بھی تمہاری رائے کیا ہے؟

میں کچھ نہیں کہتی، نہ یہ کہتی ہوں کہ دو، نہ یہ کہتی ہوں کہ نہ دو، تم جانو اور عارفہ جانے!

کچھ دیر تک دونوں میں اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر مظفر کے خراٹوں کی آوازیں آنے لگیں وہ بے خبر سو رہا تھا اور ریحانہ؟ اس کی نیند اڑ چکی تھی وہ کروٹ پر کروٹ بدل رہی تھی، لیکن نیند کا کہیں کوسوں پتہ نہیں تھا۔ عارفہ کا خط اُسے بار بار یاد آرہا تھا اس کا ایک ایک لفظ اس کے ذہن و دماغ میں رچ گیا تھا، وہ عارفہ کو اس کے خط کو بھلا دینا چاہتی تھی لیکن دونوں اُسے بے طرح یاد آرہے تھے، خط بھی اور عارفہ بھی اس کا ضمیر اُسے ملامت کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی، یہ میں نے کیا کیا؟ عارفہ نے میرا کیا بگاڑا تھا؟ کس قصور کی اُسے میں سزا دے رہی ہوں؟ اس نے میری خاطر کی، مجھے اپنا مہمان رکھا، میرے اور مظفر کے بارے میں کبھی ایک لفظ نہ مجھ سے کہا نہ مظفر سے، کوئی اعتراض نہیں کیا، کوئی شکایت نہیں کی، لڑائی جھگڑے کی نوبت کبھی نہ آنے دی، میں اس کی سوت بن رہی ہوں؟ اس کی دنیا برباد کر رہی ہوں؟ اس کے راستہ کا کانٹا بن رہی ہوں؟ — محمود کے چھوڑنے کا مجھے غم نہیں، وہ خود بھی آزاد تھے مجھے بھی آزاد چھوڑ دیا۔

اب بھگتیں ، بھگت ہی رہے ہیں ، لیکن عارفہ ؟ وہ تو میری سچی بہن تھی، یا اللہ میں کیا کروں ؟

وہ پھر سونے کی کوشش کرنے لگی ، اس نے عارفہ کو بھلا دینا چاہا، لیکن اس مرتبہ بھی اُسے ناکامی ہوئی عارفہ کا تصور بار بار اس کے سامنے آرہا تھا وہ اُسے پرے دھکیل رہی تھی لیکن وہ سینہ پر چڑھتا چلا آرہا تھا۔ اُسے ایسا معلوم ہوا عارفہ اس کے سامنے کھڑی ہے اور کہہ رہی ہے۔

مبارک ہو ریحانہ نئی زندگی!

ریحانہ شرم و ندامت سے کٹ گئی ، یا اللہ اس مصیبت سے کس طرح چھٹکارا ہو عارفہ سامنے کھڑی تھی ، وہی سرخ و سفید رنگ ، وہی مسکراتا ہوا چہرہ ، وہی محبت برسانے والی آنکھیں ، ریحانہ کا بدن کانپنے لگا ، اور بے ساختہ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ مظفر غفلت کی نیند سو رہا تھا۔ اسے خبر ہی نہ ہوئی ، ریحانہ چپکے سے آئی اور دوسرے کمرے میں چلی گئی ، وہاں بتی جلائی ، اور الماری میں سے ایک مزاحیہ ناول نکال کر پڑھنے لگی ، شاید اس طرح طبیعت بہل جائے۔ شاید اس طرح خیالات بدل جائیں ، کئی ورق پڑھ ڈالے، لیکن یہ سمجھ ہی میں نہیں آیا ، اس نے کیا پڑھا ، اس کی نظریں ، کتاب کے حروف پر تھیں ، اور خیال عارفہ کے پاس ، اس نے کتاب بند کی اور ٹہلنے لگی، جب خوب اچھی طرح تھک گئی ، تو پھر دبے پاؤں اپنے کمرے میں آئی ، اور لیٹ گئی ، پھر اس نے عارفہ کو بھلا کر یکسو ہو کر سونے کی کوشش کی ، لیکن عارفہ کا خیال اُسے برابر ستائے جا رہا تھا ، اس نے سوچا۔

کیا شادی سے انکار کر دوں ؟ یہاں سے کہیں اور چلی جاؤں ؟ لیکن کہاں ؟ اب مجھے کون پناہ دے گا ؟ ماں باپ کے گھر کے دروازے بند ہو چکے،

محمود نے اپنا دروازہ نئی شادی کرکے بند کر لیا، اب میں کس کی ہو کر رہوں گی، کس کی بن کر جیوں گی؟ کس کا سہارا لوں گی؟ کون ہو گا جسے میں اپنا کہہ سکوں؟ جو میرا بن سکے؟ خدا کی اس وسیع دنیا میں کوئی نہیں؟ کوئی نہیں پھر؟ کیا مجھے اب عزت آبرو کی زندگی نہیں مل سکتی؟ مجھے کوٹھا آباد کرنا پڑے گا؟ مجھے آبرو بیچنی پڑے گی؟ ایسی زندگی سے تو موت اچھی، پھر کیا خودکشی کرلوں؟ لیکن ——— لیکن ——— خودکشی کس طرح کروں؟ میری جان کوئی قیمت نہیں رکھتی، ختم ہو جائے تو اچھا ہے، لیکن ——— یہ میرے پیٹ میں جو ننھی سی جان رینگ رہی ہے، کیا اسے بھی مار ڈالوں؟ میں بہت بُری عورت ثابت ہوئی، لیکن بہت بُری ماں بننا بھی میرے مقدر میں لکھا ہے؟ یا اللہ یا رب تو سب کی فریاد سُنتا ہے۔ میری بھی سن لے، میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ نہیں کچھ بھی ہو، میں مر نہیں سکتی، اب میں اتنا آگے بڑھ چکی ہوں کہ پیچھے نہیں ہٹ سکتی، میں اپنے ساتھ اپنے معصوم بچہ کو ہلاک نہیں کروں گی، میرا ماں پنا جاگ چکا ہے، میری مامتا انگڑائیاں لے رہی ہے، میری کوکھ میں کوئی مچل رہا ہے میں اُسے جنم دوں گی، میں اُسے پالوں گی، میں اُسے پروان چڑھاؤں گی، پھر بھلے سے ساری دنیا مجھے چھوڑ دے، مظفر بھی چھوڑ دے، میں اسی طرح زندگی بسر کرلوں گی، جس طرح عارفہ کررہی ہے، میرا سب سے بڑا سہارا میرے پاس ہو گا، پھر نہ مجھے مظفر کی ضرورت ہوگی، نہ دنیا کی، لیکن جب تک یہ نہ آئے، میں زندہ رہنے پر مجبور ہوں، میں مظفر سے شادی کرنے پر مجبور ہوں، میرا بچہ حرامی کہلائے، یہ میں کس کان سے سنوں گی؟ جو یہ کہے گا اس کی زبان کھینچ لوں گی، مار ڈالوں گی، اسے ابھی

دوسرا ہی مہینہ تو ہے ابھی بات بن سکتی ہے، میرا بچہ مظفر کا ہے اور مظفر ہی کا رہے گا، وہ بمبئی کے بجائے پونہ میں پیدا ہوگا، دہلی میں، لاہور میں کہیں بھی، لیکن وہ زندہ رہے گا، اور مظفر کا بیٹا بن کر زندہ رہے گا، میں نے عارفہ کے ساتھ ظلم کیا ہے بھلے سے قدرت اس ظلم کی سزا مجھے دے لیکن بچہ پیدا ہولے تب؟ اور ہاں میں نے عارفہ پر ظلم کیا، لیکن عارفہ نے کس پر ظلم کیا تھا؟ اُسے یہ سزا میرے ہاتھوں قدرت نے کیوں دلوائی؟ خوب یاد آیا، وہ بھی تو ظالم ہے، اُس نے بھی مظفر کو اس کی منگیتر سے شادی نہیں کرنے دی تھی، خود رومان لڑانے لگی تھی اور آخر وہ بیچاری دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکی گئی اور بی عارفہ دلہن بن کر مظفر کے گھر کی رانی بن گئیں، اس دنیا میں یہی ہوتا ہے، ایک کا زوال دوسرے کا عروج بن جاتا ہے، میں نے عارفہ پر کوئی ظلم نہیں کیا، وہی کیا جو دنیا میں ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے. جو ہمیشہ ہوتا رہے گا جو ابن آدم اور بنتِ حوا کی فطرت اور طینت ہے نہیں میں نے بالکل ظلم نہیں کیا، اگر عارفہ کو یہ حق تھا کہ وہ مظفر سے اس کی منگیتر کو چھڑا دے، تو ریحانہ کو بھی یہ حق ہے کہ وہ عارفہ اور مظفر میں جُدائی کر دے، اور کل کسی اور عورت کو حق ہوگا کہ وہ ریحانہ اور مظفر میں تفرقہ ڈلوا دے یہ بڑی پرانی رسم دنیا میں جاری ہے اور شاید قیامت تک جاری رہے گی۔

ریحانہ کو نیند آگئی اور وہ گھوڑے بیچ کر سوگئی، بڑی گہری نیند جو شدید جسمانی یا دماغی محنت کے بعد ہی آتی ہے!

صبح وہ اٹھی، مسکراتی ہوئی، اپنی نئی دنیا کا خواب دیکھتی ہوئی جلدی جلدی اس نے ناشتہ کیا اور گھر کی صفائی شروع کرا دی وہ خود ہی دلہن بھی دلہن بھی تھی اور گھر کی منتظمہ بھی، مظفر جاتے جاتے کہہ گیا،

میں اسٹڈیو جا رہا ہوں، تم یہاں کا انتظام ٹھیک کرو، ٹھیک سبج
قاضی صاحب کو لے کر آ جاؤں گا!

اپنی مصروفیت قائم رکھتی ہوئی وہ بولی:-

ہاں سُن لیا!

مظفر آگے بڑھا، تو ریحانہ نے آواز دی

سنو تو!

وہ الٹے پاؤں واپس آ گیا!

تم نے بلایا تھا

ہاں ——— میں یہ پوچھتی ہوں کتنے آدمی ہوں گے؟

قاضی صاحب کے علاوہ صرف دو!

وہ تیوری چڑھا کر بولی،

یہ کیوں؟

مظفر نے کہا

بڑی ناداں ہو ——— کمپنی میں اور اپنے دوستوں کے حلقوں میں یہ مشہور کر چکا ہوں کہ نکاح ہو چکا، قاضی صاحب کے ساتھ دو کرایہ کے آدمی ہوں گے، تاکہ سات مہینہ بعد جب آپ کے فرزند ارجمند تولد ہوں تو کوئی اعتراض نہ کر سکے!

وہ ہنسنے لگا، ریحانہ بناوٹی غصہ سے بولی

ہمیں یہ باتیں نہیں اچھی لگتیں!

اور وہ مسکرا دیا

مظفر ہنستا ہوا چلا گیا اور ریحانہ پھر گھر کی صفائی میں لگ گئی، اب

تک وہ ناجائز کام کرتی آئی تھی، اب چاہتی تھی اس ناجائز کو، جائز کا لباس پہنا دے آج وہ صدق دل سے پاکی کا جامہ پہن رہی تھی اب تک اس کے اور مظفر کے جو تعلقات تھے، تھے۔ اب وہ انھیں صحیح بنیادوں پر قائم کرنا چاہتی تھی، اب وہ داشتہ کی حیثیت سے نہیں، بیوی کی حیثیت سے اس گھر میں رہے گی، اب تک وہ اس گھر پر اور مظفر پر قابض تھی، لیکن بغیر کسی حق کے، اب اس کا قبضہ برحق ہوگا، اب کوئی اس پر انگلی نہیں اٹھا سکے گا اب سب اس سے دبیں گے، اس کے آگے سر جھکائیں گے، اور وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، سب سے بات چیت کرے گی!

دو بجے تک گھر، آئینہ کی طرح صاف ہوگیا اور وہ نہا دھوکر دلہن بن کر بیٹھ گئی، ٹھیک تین بجے مظفر، قاضی صاحب اور اُن کے ساتھیوں کو لے کر پہنچ گیا، بڑی خاموشی سے، رسم نکاح انجام پائی، مظفر نے پانچ سو روپے قاضی صاحب کے ہاتھ پر رکھے اور وہ دعائیں دیتے ہوئے تشریف لے گئے۔

قاضی صاحب کے جانے کے بعد مظفر نے کہا

مبارکباد قبول فرمایئے اس نئی زندگی پر!

وہ مسکرا کر بولی

میری طرف سے بھی!

شکریہ!

مظفر نے ریحانہ کو کھینچ کر اپنے سینہ سے لگا لیا، اور کہا

اب وقت آیا ہے، ترکی بترکی جواب دینے کا!

کیسا جواب؟

تم نہیں سمجھیں ؟

نہیں تو !

اب دعوت ہوگی، جشن ہوگا، ناچ ہوگا، گانا ہوگا بڑے بڑے لوگ بلائے جائیں گے، ان سے تمھارا تعارف ہوگا، تمھیں اچھے اچھے اور قیمتی قیمتی تحفے ملیں گے !

اونھ مجھے نہیں چاہئیں۔

لیکن اس دعوت اور ناچ رنگ کا ترکی بہ ترکی جواب سے کیا نتیجہ نکلے گا؟

کیوں نہیں جناب محمود صاحب بھی تو مع اپنی اہلیہ محترمہ کے مدعو کئے جائیں گے !

ہٹو بھی !

سچ یہ ہوگا، یہ ہو کر رہے گا !

تو میں چلی جاؤں گی کہیں، اور مجھے یہ مذاق نہیں پسند !

ارے اس میں کیا ہے ؟

بہت کچھ ہے، ہم نہیں چاہتے یہ ———— رنگ میں بھنگ کرنے کے لئے واہ !

واللہ بڑا مزہ آئے گا !

تمھیں تو ہر بات میں مزہ آتا ہے، آیا کرے !

بڑی بد مذاق ہو !

چلو یہی سہی !

اچھا بھائی یہی سہی !

تیسرے دن مظفر نے بڑے وسیع اور شان دار پیمانہ پر دعوت کا

تمام کیا، فلمی دنیا سے تعلق رکھنے والے تمام ممتاز اور سربرآوردہ اصحاب
دعوت نامے بھیجے، اور ذاتی طور پر ٹیلیفون کرکے شرکت کی تاکید کی، اگرچہ
ہ ریحانہ سے وعدہ کرچکا تھا پھر بھی شرارت سے باز نہیں آیا اپنے ایک
اص آدمی کے ہاتھ محمود کو بھی دعوت نامہ بھیجا اور تاکید کی کہ جواب لے کر آئے،

محمود، فیروزہ کے ساتھ ہنی مون منانے کشمیر جارہا تھا ٹیکسی میں بیٹھ
چکا تھا کہ منظفر کا آدمی آپہنچا، اسے دیکھکر قدرتاً حیرت ہوئی۔

کیا ہے ۔؟

ایک خط لایا ہوں سرکار!

کس کا؟

منظفر میاں کا!

خط اس نے محمود کے ہاتھ میں دے دیا، محمود نے کھول کر پڑھا تو
ریحانہ اور منظفر کے جشن شادی کا دعوت نامہ تھا، بھنا ہی تو گیا اس
نے خط پڑھکر ملازم سے خفگی بھرے لہجہ میں کہا

اب کیوں کھڑے ہو؟

صاحب خط ——————

ہاں ہاں پڑھ لیا!

سرکار نے جواب مانگا ہے!

جواب مانگا ہے؟

جی سرکار!

محمود آگ بگولا تو ہو ہی رہا تھا اس نے خط کے پرزے پرزے کئے
اور آدمی کے منہ پر کھینچ مارے!

جاؤ کہہ دینا یہ جواب دیا ہے!

وہ سر جھکا کر چلا آیا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی، راستہ میں فیروزہ نے پوچھا!

کیا تھا؟

مظفر کا خط!

یہ تو میں بھی جانتی ہوں کیا لکھا تھا؟

ریحانہ مر گئی!

فیروزہ نے حیرت سے پوچھا،

مر گئی؟ کیا کہہ رہے ہو؟

سچ کہتا ہوں، مر گئی، اس کی زندگی ختم ہو گئی، اب وہ کبھی زندہ نہیں ہو سکے گی!

جی ہاں ـــــــ مگر میں کیوں اس کے جنازہ میں شرکت کروں۔؟ میں اپنی نئی زندگی بنا رہا ہوں، کسی کا مکان ڈھے جاتے تو مجھے کیا؟ لعنت مظفر پر بھی اور ریحانہ پر، میری طرف سے دونوں جہنم واصل ہوں!

فیروزہ خاموش ہو گئی!

مظفر نے اپنے آدمی سے پوچھا،۔

ملے تھے محمود میاں!

جی ملے تھے!

خط دے دیا!

دے دیا۔

اور جواب؟

ملازم نے وہ سارے ٹکڑے جو اس کے منہ پر کھینچ مارے گئے تھے، سامنے رکھ دیئے منظر نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگاتے ہوئے کہا:۔

یہ جواب دیا ہے؟

جی —!

اور منظفر پھر زور زور سے ہنسنے لگا!

رعنا اور قاسم

ادھر کافی عرصہ گذر گیا، میری اور رعنا کی ملاقات نہ ہو سکی وہ اسٹڈیو میں ویسے ہی قاسم سے راہ و رسم بڑھانے کے بعد، کم آنے لگی تھی اور مجھے ایک دوسری فلم کمپنی کی اسٹوری اور ڈائلاگ کا کام مل گیا، میں ادھر الجھا رہا، منظفر سے اور مجھ سے طے یہ تھا کہ اگر اس کا کوئی کام نہ ہو تو میں دوسرا کام کر سکتا ہوں، اس اصول سے میں نے فائدہ اٹھایا۔ اس مصروفیت کے زمانہ میں، اپنی کمپنی کا کبھی کبھی میں چکر لگا لیتا تھا، لیکن عجیب اتفاق تھا جس روز بھی میں آتا تھا، اس روز رعنا نہیں آتی تھی، یا آ چکی ہوتی تھی اور مصروف ہوتی تھی۔

ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ کوئی ۱۱ بجے رات کے قریب کسی نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا، میں بڑے مزے کا سین لکھ رہا تھا، ہیروئن ایک باغ میں ہیرو سے گلے مل رہی تھی، دونوں میں پریت، اور پریم کی باتیں ہو رہی تھیں، اور عنقریب ہیرو اسے اغوا کرنے والا تھا، پوری تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں، ایسے رومینٹک موقع پر، یہ مداخلت مجھے بہت ناگوار گذری لیکن طوعاً و کرہاً اٹھا۔ دروازہ پر کیا دیکھتا ہوں رعنا کھڑی ہوئی ہے، میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

ایں رعنا تم؟

وہ ایک ۔ ورے میں لپٹی ہوئی تھی، بغیر جواب دیے اندر چلی آئی جب میں دروازہ بند کر چکا تو بولی ۔

کوئی اور تو نہیں ہے ؟

میں نے جواب دیا

کوئی نہیں آؤ !

وہ میرے ساتھ ساتھ کمرے میں آ گئی، اور میں اُسے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا، انگشت حیرت در دہاں، نیمے دروں نیمے بروں، یہ وہی رعنا تھی ؟ یہ تو سوکھ کر کانٹا ہو چکی تھی، اس کا رس کسی نے چوس لیا تھا ۔ اس کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا، اس کی رعنائی ختم ہو چکی تھی، یہ جوان تھی لیکن جوانی کا سورج بڑی تیزی سے ڈھل رہا تھا، ایک نظر میں یہ سب کچھ میں نے دیکھا اور بے قابو ہو کر پوچھا !

رعنا یہ تم ہو ؟

اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے، بولی

آپ کو یقین نہیں آتا ؟

کیسے یقین آئے ؟ تمھاری جوانی کیا ہوئی ؟

لوٹ لی کسی نے !

اور رنگ روپ ؟

وہ اڑ گیا !

اور ناز و ادا ؟

وہ بھول گئی !

شوخی اور زندہ دلی ؟

دل مر چکا، شوخی، ختم ہو گئی !

لیکن کیوں ؟

پھر میں نے مسکراتے ہوئے کہا

میں تو ابھی زندہ ہوں یہ جامہ داری کیوں ہے ؟

اس نے گلوگیر آواز میں کہا

میرا مذاق نہ اڑایئے !

میں نے سنجیدگی کے ساتھ پوچھا۔

یہ آج تمھیں ہوا کیا ہے ؟

وہی جو ہوتا رہتا ہے !

یعنی، یعنی، کچھ کہو تو ؟

نشہ اتر چکا، اب اعضا شکنی ہے اور جمائیاں !

لیکن رعنا تم فلسفی کب سے بن گئیں !

زمانہ بہت بڑا معلم ہے !

ان اکھڑی اکھڑی باتوں سے میں گھبرا گیا، میں نے کہا

بھئی، ٹھیک طرح سے باتیں کرو —————— قاسم سے

اَن بن ہو گئی گیا ؟

وہ کچھ دیر خاموش رہ کر بولی

ہاں !

تعجب ہے !

تعجب کیوں ؟ کیا وہ مرد نہیں ہے ؟

ضرور ہوگا، ورنہ تمھارا دل کیسے جیتتا !

میرا مطلب کچھ اور تھا۔

وہ بھی کہہ ڈالو!

میرا مطلب یہ تھا کہ وہ مرد تھا، میں عورت تھی ——

ہاں، پھر ——؟

وہ جیت گیا، میں ہار گئی، جب تک چاہا، میرا بنا رہا، جب جی بھر
ا، دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا اپنے گھر سے، جب تک مجھ میں
ں تھا، رنگ تھا، جوانی تھی، وہ مکھی کی طرح بھنبھناتا رہا۔ جب میں
کھلی ہوگئی وہ اڑ گیا! مرد اور عورت کی کہانی اتنی ہی ہوتی ہے، اس سے
گے جو کچھ ہے وہ بکواس ہے!

ہوگی، لیکن جس کے لئے تم نے اپنی ماں کو چھوڑا، چہیتی بہن سے منہ
ا، وہ بھی دغا دے گیا؟ یہ کیسے مان لوں؟

نہ مانئے، میں اصرار کب کرتی ہوں، آپ نے ایک بات پوچھی، میں نے
ب دے دیا!

پھر اب ارادہ کیا ہے؟

ایک روکھا سا تبسم اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوا اس نے پوچھا۔

میرا ارادہ آپ پوچھتے ہیں؟

ہاں! بتاؤ! بولو!

وہ پھر مسکرائی،

بجھنے کا، جل بجھنے کا!

یہ کیا رعنا؟

ٹھیک تو کہتی ہوں، اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات!

رو کر اُسے گزار یا ہنس کر گزار دے! زندگی کے کچھ دن ہنس گزرے، اب آخری سانسیں رو کر گزر رہی ہیں!

تم تو اس وقت مجسم ٹریجڈی بنی ہوئی ہو، کچھ بتاؤ بھی تو!

بتا چکی جو کچھ بتانا تھا، اب اور کیا بتاؤں ——— دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے، قاسم نے مجھے ہسپتال بھیجا، وہاں سے کسی حد تک اچھی ہو کر آئی تو گھر میں گھسنے نہیں دیا، اب آپ کے پاس پناہ لینے آئی ہوں، دیں گے؟

کیوں نہیں دوں گا، بھئی لیکن تم ہسپتال کیوں گئی تھیں، بیمار تھیں کچھ؟

جی، بیمار تھی! بیماری کا نام سنیں گے آپ؟

وہ کون سی ایسی بیماری تھی؟

ڈر تو نہیں جائیں گے؟ نکال تو نہیں دیں گے؟

نہیں نہیں، کہو!

وہ جسے مرد بھی رو رو کر جھیلتے ہیں نہ کہ عورت، اب تو سمجھے آپ؟

یعنی ——— ———؟

جی ہاں وہی، اب پوچھئے یہ مجھ تک کیسے پہنچی!

قاسم سے پہنچی ہوگی!

جی ہاں یہ ان ہی کا عطیہ ہے ——— میرے روپیہ سے عیاشی کرتے رہے، اور میرے ہی بدن میں اپنی عیاشی کا زہر پھیلاتے رہے، اور جب میں کسی قابل نہ رہی تو دھکے دے کے گھر سے نکال دیا۔

وہ رونے لگی، میں نے اپنے ہاتھ سے اس کے آنسو پونچھے، جذبۂ محبت سے بے تاب ہو کر نہیں، جذبۂ انسانیت سے مجبور ہو کر، اب اس میں رہ کیا گیا تھا، جو کوئی اس سے محبت کرتا؟ وہ تھی کس قابل؟

میں نے کہا،

روتی کیوں ہو، جو ہونا تھا ہو چکا ؟ اسی باعث تو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے !

وہ اور رونے لگی، اس نے کہا

آپ طعنے کیوں دیتے ہیں، جوتی اٹھائیے اور ماریئے، میرے سر پر جتنی چاہے !

میں سنبھل گیا، میں نے کہا

میں تو اس لئے مذاق کر رہا تھا کہ ذرا تمھاری طبیعت بہل جائے تھا تو بھی کہاں کا غم لے کے بیٹھی ہو، تمھیں پروا کیا ہے ؟ ماں سے صلح کر لو، بہن کو گلے سے لگا لو، گل رخ تمھیں بہت یاد کرتی ہے۔

رعنا کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے، لیکن وہ پی گئی اس نے کہا۔

اماں اب میرا منہ بھی نہ دیکھیں گی، اور گل رخ کو میں منہ دکھانے کے قابل نہیں !

نہیں کوئی بات نہیں، دنیا میں یہ ہوتا ہی رہتا ہے، جوانی دیوانی تو مشہور ہی ہے ! اور ہاں یہ کیا کہا کہ اماں منہ نہیں دیکھیں گی ؟ رعنا تم ابھی ماں نہیں بنی ہو، تم نہیں جانتیں، ماں کا دل کیسا خطا پوش اور غفور الرحیم ہوتا ہے، وہ ماں ہیں ضرور معاف کر دیں گی۔

اچھا مان لیا کر دیں گی، لیکن میں ان پر اپنا بوجھ بھی تو ڈالنا نہیں چاہتی —!

بوجھ ؟ اور کماتی جو ہو ؟

کہاں ؟ نوکری تو چھوٹ گئی !

یہ کب ، کیسے ؟

مینجر صاحب نے جواب دے دیا ، کہنے لگے ہمیں تمھاری ضرورت نہیں ہے ' میں نے پوچھا کیوں ؟ کہنے لگے تم غیر حاضری بہت کرتی ہو ، میں نے وعدہ کیا اب نہیں کروں گی ، کہنے لگے تمھاری صحت بھی اچھی نہیں ، آرام کرو کچھ دن ، پھر دیکھا جائے گا !

اب مجھے واقعی صدمہ ہوا ' یہ میں شروع سے جانتا تھا ، قاسم اور رعنا کی نبھے گی نہیں ، لیکن اسے بے روزگار دیکھکر میرا جی کڑھنے لگا اس نے میرے پاؤں پر ہاتھ رکھکر کہا

معاف کردیجئے ' مجھ میں بڑی گنہگار ہوں !

اس کا ہاتھ ہٹاتا ہوا میں بولا '

کیا کرتی ہو رعنا ، توبہ توبہ ——— میں تم سے ذرا بھی خفا نہیں ہوں !

جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کہنے لگی ۔

تو میری مدد کیجئے !

ضرور کروں گا ! جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا ، اس سے دریغ نہ کروں گا !

اس نے ممنون نظروں سے مجھے دیکھا ، اور کہا

آپ بڑے اچھے آدمی ہیں ، آپ کا احسان میں کبھی نہیں بھول سکتی ، آپ ہی نے میری زندگی بنائی تھی ، اب پھر آپ ہی سے بھیک مانگتی ہوں !

میں نے کہا

اگر اس طرح گڑگڑا کر باتیں کروگی ، تو میری تمھاری لڑائی ہو جائے گی ، تم مجھ سے اس طرح ملو ، جس طرح ملتی تھیں ، میں تم سے اس طرح

ملوں گا، جس طرح ملتا تھا اس درمیانی وقفہ کو بالکل بھول جاؤ!
اس نے ایک مجرم کی طرح سہم کر کہا
لیکن میں تو بیمار ہوں، ابھی اچھی نہیں ہوئی، آپ کو بھی بیمار بنادوں گیا؟
میں نے کہا
رعنا تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو، میرا کچھ اور مطلب نہیں ہے، میں صرف یہ کہہ رہا تھا، ہمارا تمھارا برتاؤ وہی رہے گا، جو پہلے تھا سمجھیں؟
سمجھ گئی، میرا رواں رواں آپ کو دعا دے رہا ہے!
پھر وہی تکلف؟ —— بس اب خاموش ہوجاؤ!
وہ چپ ہوگئی، میں نے کہا
اب رات کافی آگئی ہے، تم یہیں آرام کرو، صبح میرے ساتھ اپنے گھر چلنا!
نہیں میں نہیں جاؤں گی، مجھ سے نہیں جایا جائے گا۔
اچھا میں تمھاری اماں کو یہاں لے آؤں گا، اگر وہ آکر لے جا سکیں تب تو جاؤ گی؟
وہ خاموش ہوگئی، بڑی دیر تک چپ بیٹھی رہی، میں نے کہا
اب سو جاؤ
وہ بولی
نیند نہیں آتی!
تو آؤ باتیں کریں —— یہ بتاؤ تم اتنی جلدی ان سب مرحلوں سے کیوں اور کیسے گذر گئیں؟

مرحلوں سے آپ کا مطلب کیا ہے؟ میں نہیں سمجھی!

ان چند دنوں میں تم ایکسٹرا گرل بنیں، پھر ایکٹریس بنیں، کچھ مجبوری نہیں، پھر ایسی خطرناک بلکہ شرمناک بیماریوں میں مبتلا ہوئیں اور اب سب کچھ لٹا کر اور کھو کر پھر وہیں ہو جہاں پہلے دن تھیں!

رعنا کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہو گئی، وہ سنبھل کر بیٹھ گئی، اُس نے کہا:-

انجان صاحب میں عورت ہوں، شاید عام عورتوں سے زیادہ حساس، میں نے دیکھا اس دنیا میں ہر چیز بکتی ہے عصمت بھی، ضمیر بھی، ادب بھی، فن بھی، میں بھی بازار میں پہنچ گئی، سچ بتائیے گا کیا اس بازار میں بہت سی ایسی عورتیں نہیں ہیں، جن کی صورت مجھ سے بُری ہے، جو مجھ سے اچھا گانا نہیں جانتیں، جو مجھ سے بھونڈا ناچتی ہیں، جن کا رنگ روپ میرے مقابلہ میں کچھ نہیں، لیکن وہ بیس بیس ہزار کے موٹر میں گھومتی ہیں، دو ہزار کی ساریاں پہنتی ہیں پچاس پچاس ہزار کا زیور ان کے بدن پر جگمگا رہا ہے، اپنی قیمت دہائیوں میں نہیں سینکڑوں میں نہیں، ہزاروں میں وصول کرتی ہیں کیوں؟ آخر ان میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں؟ ان میں اگر کوئی سرخاب کا پر ہے تو صرف یہ کہ وہ کسی اچھے اور اونچے کوٹھے پر پیدا ہوئی تھیں، یا کسی فن کار ماں کی گود میں انھوں نے جنم لیا تھا یا ان کا خاندان اس تجارت میں کامیاب تھا یا ان کی سوسائٹی اونچی تھی، گھرانا اونچا تھا، کالج میں انھوں نے تعلیم حاصل کی تھی، اس لئے ہاتھوں ہاتھ لی گئیں۔ مجھ میں یہ سب باتیں نہیں تھیں، لیکن اس میں میری خطا کیا تھی؟

میری ماں رنڈی نہیں تھی، اب میں کیوں کرا سے پھر سے جوان کروں اور بناؤ سنگار کر کے کسی بالا خانہ پر پہنچا دوں اور کسی بڑے آدمی کے نطفہ سے پیدا ہو جاؤں؟ میرے بھائی بھڑوے نہیں تھے، اب میں انھیں کس طرح اپنی ماں کے پیٹ سے جنم دوں اور پھر انھیں بھڑوا بنا کر اپنا سہارا بناؤں، اور بازار میں پہنچوں؟ جب تجارت ہے تو کھلی تجارت ہونی چاہیے، جب مقابلہ ہے تو کھلا مقابلہ ہونا چاہیے۔ کون کیا ہے؟ کس خاندان سے ہے، اُسے نہ دیکھنا چاہیے، صرف یہ دیکھنا چاہیے کس میں کتنی صلاحیت ہے، اگر یہ ہوتا تو میں بہت سی ایکٹرسوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ جاتی، ان کا میرے سامنے چراغ نہ جلتا، لیکن ایسا نہیں ہے، اور مجھے آگے بڑھنا ہے تو ظاہر ہے بہت لوگ میرے راستے میں آئیں گے، ان میں کوئی آپ جیسا شریف ہو گا، کوئی قاسم جیسا بدمعاش، جب سمندر کا سفر کرنا ہو اور کشتی میں بیٹھ گئے تو ڈوب بھی سکتے ہیں اور ساحل تک پہنچ بھی سکتے ہیں، میری ایسی بہت سی عورتیں میرے آنکھوں دیکھتے ساحل تک پہنچ گئیں، میں ڈوب گئی یہ اتفاق ہے اور اس اتفاق کے لئے تیار رہنا چاہیے، مجھے اپنی ناکامی کا افسوس نہیں ہے، افسوس صرف اس کا ہے کہ اب مجھ میں اتنی سکت نہیں کہ آگے بڑھ سکوں — بیماریوں نے مجھے چھلنی کر دیا ہے، اور میں جانتی ہوں، اب زندہ نہیں رہ سکتی، حالانکہ میں زندہ رہنا چاہتی تھی، میرے دل میں امنگیں اب بھی ہیں؛ لیکن بدن سوکھ چکا ہے، اس ڈھانچے کی اب کون قیمت لگائے گا؟ میرا جی چاہتا تھا، میں زندہ رہتی، جوان رہتی، خوب کماتی، خوب اڑاتی، جی بھر کے مزے کرتی؛ کوئی حسرت باقی نہ رہنے پاتی، لیکن خدا غارت کرے، موئے قاسم کو اس نے مجھے کسی قابل نہ رکھا، میں وقت سے پہلے مرگئی، میری حسرتیں بھی میرے

ساتھ دم توڑ رہی ہیں، میرے ارمان بھی میرے ساتھ دفن ہو جائیں گے!
میں دنیا کا کچھ بھی تو نہ دیکھ سکی، اس لیٹیرے قاسم کی بدولت، ورنہ ابھی میں بہت چلتی، بہت دنوں، دنیا کی بہار بن کر رہتی، اکاش میں تناسخ کی قائل ہوتی تو کیا ہوتا؟

اتنی حسرت کے ساتھ نہ مرتی، یہ امید تو ہوتی کہ پھر واپس آؤں گی اس دنیا میں، اور رہی سہی کسر پوری کرلوں گی دوسرے جنم میں!

رعنا کی باتوں میں ایک درد تھا، ایک سوز تھا میں بہت متاثر ہوا میں نے کہا۔

تم مغموم کیوں ہوتی ہو؟

وہ صرف مسکرادی!

میں نے کہا

میں تمھارا علاج کراؤں گا، میرے پاس بہت کافی روپیہ ہے سب خرچ کردوں گا تم پر، تم پھر جوان ہوگی، تم پھر اس دنیا کی بہار بن جاؤ گی، تم بہتوں کو شکست دو گی اور موج اڑاؤ گی۔

رعنا کا پھیکا چہرہ امید کے نور سے روشن ہوگیا، اس نے کوئی جواب نہیں دیا، ممنون نظروں سے مجھے دیکھتی رہی۔

رات کو بڑی دیر میں ہم لوگ سوئے، صبح اٹھ کر میں نے پہلا کام یہ کیا کہ باندرہ گیا، بڑی بی سے سارا ماجرا بیان کیا، وہ روتی پیٹتی میرے ساتھ آئیں، گل رخ بھی ان کے ساتھ تھی، تینوں ایک دوسرے سے گلے مل کر خوب روئیں، بڑی بی نے رعنا کو بہت پیار کیا اور اپنے ساتھ لے گئیں، ایسا معلوم ہو رہا تھا ان کی کوکھ سے رعنا ابھی پیدا ہوئی ہے وہ

اشتیاق، وہ محبت وہ گرم جوشی کہ بس دیکھا کرے کوئی۔

اس قافلہ کے ساتھ میں بھی باندرہ پہنچا آج پھر میں اور رعنا اسی کمرہ میں بیٹھے تھے جو کبھی ہماری امنگوں اور سرمستیوں کا مرکز تھا، میں نے رعنا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہا

تم بالکل فکر نہ کرنا، سب سے بڑا مرض خود فکر ہے، میں علاج کرتا ہوں، اور دیکھنا کس قدر جلد تندرست ہوگی، ڈاکٹر سہراب جی اس فن کے اسپیشلسٹ ہیں، میں نے انھیں ٹیلیفون کیا تھا، آج وہ کسی وجہ سے مطب میں نہیں آئے کل انھیں دکھاؤں گا اور اگر ان کی رائے ہوگی تو کچھ روز تم ان کے نرسنگ ہوم میں رہوگی اور یہ لو، دو سو روپے، یہ فی الحال اپنے پاس رکھو!

رعنا نے کہا

آپ میرا علاج کرا رہے ہیں، یہی بہت ہے، یہ روپے لے کر میں کیا کروں گی ــ؟

میں نے کہا

ضد نہ کرو، تمھاری اماں کی آمدنی کیا ہے، میں جانتا ہوں ان پر واقعی بوجھ نہیں پڑنا چاہئے!

اس نے روپے لے لئے، اور میں دوسرے دن آنے کا وعدہ کر کے چلا آیا ــــ

نیا نگار خانہ

سیٹھ ہیرا چند علی الاعلان چاندنی پر عاشق ہو گئے، بہت بڑے آدمی تھے، کئی ملوں کے مالک، بہت سی بیمہ کمپنیوں کے کرتا دھرتا، متعدد بینکوں کے آقا، روپیہ ان کے گھر کا غلام تھا، سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہاں رکھیں اور کیا کریں، جس تجارت میں ہاتھ ڈالتے تھے، بے اندازہ کماتے تھے، لوگ کہتے تھے یہ آدمی قسمت کا دھنی ہے اس کے ہاتھ میں پارس ہے، پتھر بھی اٹھائے گا تو سونا بن جائے گا، بات بھی یہی تھی۔ ریاست جے پور کے ایک مارواڑی خاندان میں غریبی کا انگوٹھا چوستے ہوتے پیدا ہوئے، جب ہوش سنبھالا دلّی پہنچے، ایک دوکان پر دس روپے مہینے پر نوکر ہو گئے اس دوکان کی ایک شاخ کلکتہ میں تھی وہاں تبادلہ ہو گیا، تنخواہ دس سے اٹھارہ روپیہ ہو گئی بڑے خوش تھے، پھولے نہیں سماتے تھے، کہاں دس کہاں اٹھارہ، کوئی دو برس یہاں رہے پھر مالک سے مطالبہ کیا ہمارے دو روپے بڑھا کر بیس کر دو، اس نے انکار کر کے انھیں نکال دیا، کچھ دنوں بیکار گھومتے رہے، پھر بمبئی آ گئے، دو ڈھائی سو کی پونجی ساتھ تھی شیر بازار میں پہنچے، دیکھتے دیکھتے سیٹھ ہیرا چند بن گئے اور اب ان کی ٹکر کا کوئی آدمی مشکل ہی سے شہر میں مل سکتا تھا، ہاں تو وہ چاندنی پر عاشق ہوئے اور اپنی رولس رائس میں بیٹھکر سیدھے چمن بائی کے ہاں پہنچے،

وہاں ہاتھوں ہاتھ لئے گئے، جو نھا وہ سرپر بٹھا رہا تھا لیکن یہ کسی کی طرف متوجہ نہیں تھے، صرف چاندنی کو تکے جارہے تھے، اور وہ مُسکرا مسکرا شرمارہی تھی، سیٹھ صاحب کاروباری آدمی تھے اور صاف بات پسند کرتے تھے، چمن بائی سے کہنے لگے۔

آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں!

سرکار کہیں، میں سُن رہی ہوں!

اکیلے میں کہیں گے۔

شرمائی ہوئی ایک نظر میر صاحب اور خاں صاحب پر ڈالی، پھر اپنا پلّو ٹھیک کرتی ہوئی اٹھیں:۔

آیئے سرکار

سرکار ان کے ساتھ ساتھ چلے، چلتے چلتے ٹھٹکے اور کہنے لگے:۔

چاندنی کو بھی ساتھ لے لو۔

آنکھ کے ایک اشارہ دہ وہ بھی ساتھ آگئی، اندر والے کمرے میں ——

—— یہ وہی پاک کمرہ تھا جسے نتّو ناپاک کرچکا تھا ——

گول میز کانفرنس شروع ہوگئی، بیٹھتے ہی کہنے لگے۔

ہم چاندنی سے پریم کرتے ہیں:

چمن بائی کی باچھیں کھل گئیں، چاندنی کے چہرے پر مسکراہٹ کھیلنے لگی، چمن بائی نے بڈھے سیٹھ کی طرف شوخ نظروں سے دیکھا اور کہا۔

ضرور ہے، سیٹھ صاحب!

کہنے لگے:۔

چاندنی کو ہمارا بن کر رہنا پڑے گا!

رہے گی !
ہمارے بنا حکم کسی سے نہیں مل سکے گی !
نہیں لے گی !
کسی فلم کمپنی میں کام نہیں کرے گی !
اب تو وہ چکرائیں۔
کیا کہا سرکار ؟
کسی فلم کمپنی میں کام کرنے نہیں پاتے گی !
سرکار تو ہم کھائیں گے کیا ؟
اب کیا آمدنی ہے اس کی ؟
اے ہو گی تین چار ہزار ماہوار
ہم چھ ہزار دیں گے۔
تو بے شک آپ کے حکم کے بغیر ملے گی بھی نہیں !
چاندنی اس معاملہ پر تو راضی تھی لیکن یہ شرائط اسے پسند نہیں تھے ، ذرا کسمسائی اور کہنے لگی، سیٹھ صاحب کو سُنا کر چمپن بائی سے
اماں، میں فلم نہیں چھوڑوں گی !
چپ بدتمیز، کیسے نہیں چھوڑے گی، سیٹھ صاحب جو منع کرتے ہیں !
میں نہیں مانتی کسی کا کہنا
سیٹھ صاحب نے اپنی رائے چاندنی کا فیصلہ سن کر بدل دی۔
کوئی حرج نہیں، فلم میں کام کرو گی ؟
ہاں ہمارا جی چاہتا ہے !
اچھا کرنا ، لیکن کسی اور کی فلم کمپنی میں نہیں ، اپنی فلم کمپنی میں۔

چمن بائی کہنے لگیں

سرکار اپنی فلم کمپنی تو بند کردی، بڑا نقصان آیا مجھے، لوگ اچھے نہیں ملے، میں تو لٹ گئی، کوئی ڈیڑھ لاکھ کا نقصان ہوا بیٹھے بٹھائے۔

سیٹھ صاحب نے بڑی شان سے کہا

تم نہیں سمجھتیں چمن بائی، ہم فلم کمپنی قائم کریں گے چاندنی کے لئے ڈیڑھ لاکھ نہیں ڈیڑھ کروڑ خرچ کردیں گے، تمھارا نقصان بھی پورا ہوجائے گا! کمپنی کی ہیڈ تم ہوگی اور تمھیں الگ سے تنخواہ ملے گی، کیا لوگی؟

جو دے دیں سرکار!

تمھیں ہم دو ہزار دیں گے!

مہربانی ہے سرکار کی، بڑے دیالو ہیں حضور!

سیٹھ صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔

اب تو ہر بات طے ہوگئی؟

طے کیا کرنا ہے سرکار، جو آپ کہہ دیں وہ ٹھیک ہے!

مالابار ہل پر ہم اپنی ایک کوٹھی خالی کرا رہے ہیں، کل سے چاندنی بائی وہیں رہیں گی!

اور میں سرکار؟

تم ہمارے گھر آسکتی ہو جب چاہو!

اس فیصلہ سے چمن بائی کچھ خوش نہیں ہوئیں لیکن حکم حاکم، ماننا پڑا سیٹھ صاحب چلے گئے، اور چمن بائی کے گھر میں گھی کے چراغ جلنے لگے، چاندنی بھی بہت خوش تھی، اب وہ کافی سمجھدار ہوگئی تھی۔ مرد دوستوں کے انتخاب میں وہ خوبصورتی اور بدصورتی، جوانی اور بڑھاپا نہیں دیکھتی

تھی، صرف دولت دیکھتی تھی، سیٹھ ہیرا چند کچھ ایسے بوڑھے بھی نہیں تھے کوئی پچاس برس کے ہوں گے اور دولت کی کچھ تھاہ نہیں تھی۔

دوسرے دن مالا بار ہل کی کوٹھی خالی ہوگئی، اور چاندنی اپنی ماں کو داغِ مفارقت دے کر وہاں چلی گئی۔ اس کا ذاتی عملہ جو ساتھ گیا۔ اُس میں فتو بھی تھا —— کچھ دنوں بعد اُسے چمن بائی نے معاف کر دیا تھا —— وہ بھی بہت خوش تھا، جیسے چاندنی سیٹھ ہیرا چند کی نہیں، فتو سیٹھ کی داشتہ بنی تھی، سیٹھ ہیرا چند نے چاندنی کو ہاتھوں ہاتھ لیا، بڑے سکھ اور شانتی سے یہ دونوں عاشق و معشوق اپنی "پریم کٹیا" میں رہنے لگے، اتفاق سے سیٹھ صاحب کی کوٹھی کا نام بھی یہی تھا؛

سیٹھ صاحب بات کے کھرے تھے، انھوں نے جو وعدہ کیا پورا کیا تین مہینے کے اندر انھوں نے ایک نہایت شاندار اسٹوڈیو تیار کر لیا بمبئی میں اتنا بڑا اور شاندار نگار خانہ کوئی دوسرا نہیں تھا، چاندنی یہاں راج کرتی تھی، چمن بائی خدمت کرتی تھیں، میر صاحب اور خال صاحب کو بہت دنوں بعد کھیل کھیلنے کا موقع ملا، بہت سی اکسٹرا گرل ایسی تھیں، جنھیں ان دونوں جہاں دیدہ اور کار آزمودہ بوڑھوں نے انٹرویو کے بعد ایکٹرس بنا دیا، سیٹھ صاحب اپنے وقت کا معقول حصہ اسٹوڈیو میں صرف کرتے تھے، ان کی موجودگی میں چاندنی کو اجازت نہیں تھی کہ وہ سٹ پر جائے، اس کا کام تھا کہ سیٹھ صاحب کی مصاحبت کرے، زندہ دل آدمی تھے، اپنے آپ کو جہانگیر اور چاندنی کو نور جہاں کہا کرتے تھے، کہتے تھے چاندنی کے بغیر مجھے کسی کام میں لطف نہیں آتا، اسٹوڈیو کی ایکٹرسوں کا نیم عریاں ناچ دیکھنے کا انھیں بڑا شوق تھا، لیکن یہ کام کبھی تن تنہا

نہیں کیا ۔ ہمیشہ چاندنی کی موجودگی میں چاندنی کے مشورہ سے گنگا جل اٹھا کر انھوں نے چاندنی کو یقین دلا دیا تھا ۔ اب ہر عورت ماں بہن ہے چاہے وہ ایکٹرس ہو، یا رنڈی، یا بیوی، چاندنی کو اپنے اوپر اتنا اعتماد تھا کہ وہ بڑے اطمینان سے سیٹھ صاحب کی یہ خواہشیں پوری کیا کرتی تھی اگرچہ کبھی کبھی فتو اور چمن بائی کی طرف سے اعتراض بھی ہوتا تھا کیوں اپنے ہاتھوں کانٹے بو رہی ہو لیکن وہ مسکرا کر ٹال جاتی، گانے سے سیٹھ صاحب کو ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی حتیٰ کہ وہ چاندنی تک کو اپنے سامنے نہیں گانے دیتے تھے، چاندنی کے تمام ذاتی مصارف، سیٹھ صاحب کے ذمہ تھے تنخواہ پوری کی پوری بنک میں چلی جاتی تھی اور ناز و انداز دکھا کر روٹھ کرنے کی فیس وصول کر کے وہ ہزاروں روپیہ نقد اور ہزاروں کے زیورات و ملبوسات الگ اڑا لیتی تھی یہ بالائی خرچ بھی سیٹھ صاحب، بڑی ہنسی برداشت کیا کرتے تھے، چاندنی کو وہ بڑی سے بڑی رقم دے ڈالیں یہ معلوم ہوتا تھا ان کی تجوری سے کچھ نکلا ہی نہیں، بلکہ کھاتہ کی میزان کچھ اور بڑھ گئی ہے، چاندنی ان کی مزاج داں بن چکی تھی وہ جانتی تھی اس کل کے گھوڑے کی چابی کس طرح گھمائی جاتی ہے اور یہ کل کا گھوڑا چابی گھمانے کے بعد اس کے اشاروں پر چلتا تھا تنخواہ کے علاوہ جس طرح چاندنی سیٹھ صاحب سے بالائی رقم دھڑا دھڑ وصول کیا کرتی تھی ۔ بالکل اسی طرح فتو، چاندنی سے تنخواہ کے علاوہ ہر مہینہ سیکڑوں لے مرتا تھا، وہ کمبخت بھی روٹھتا تھا اور اس وقت منتا تھا جب دو چار نوٹ اس کی جیب میں پہنچ جاتے تھے، اب چمن بائی بھی فتو کو بیٹا کہنے لگی تھیں ۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں تھے کہ وہ بیٹا بن کر ان کی گالیوں سے محروم ہو گیا تھا، بڑی سے بڑی گالیاں

اب بھی اُسے ملتی تھیں اور وہ مسکرا مسکرا کر سنا کرتا تھا۔ سب سے زیادہ چمن بائی کو جس بات سے نفرت تھی، وہ فتو کی مسکراہٹ تھی، اُسے مسکراتے دیکھا اور گالیوں کی بوچھاڑ شروع کردی، وہ بھی اتنا ڈھیٹ تھا کہ مسکراتا رہتا تھا اور گالیاں سنا کرتا تھا۔

میری سفارش پر، چمن بائی نے مجنوں صاحب کو پھر رکھ لیا تھا اب وہ اسٹڈیو کے باقاعدہ ملازم تھے، پانچ سو روپیہ ماہوار ان کی تنخواہ طے ہوئی تھی، لیکن اس مرتبہ وہ آؤ بھگت نہیں تھی جو پہلے تھی۔ وہ بیچارے بھی اتنی ٹھوکریں کھا کر نئے روزگار سے لگے تھے کہ اسی کو غنیمت سمجھ رہے تھے، ملازمت تو ملی، چاندنی نہ ملی، نہ سہی، سیٹھ صاحب البتہ ان کی طرف زیادہ ملتفت تھے، یہ عجیب بات تھی انھیں گانے سے جتنی نفرت تھی، مجنوں صاحب کی شاعری سے اتنی ہی دلچسپی تھی۔ اکثر وہ انھیں چھیڑا کرتے۔

کہیے، مجنوں صاحب کوئی نیا سیر (شعر) پکڑا؟

اور وہ بےچارے جھینپ جاتے، سیٹھ صاحب پھر کہتے۔

تو ذرا ہمارے سامنے چھوڑو، ہم بھی دیکھیں تمھارا سیر کیسا ہے؟

اور اب وہ اپنی بیاض کھول کر سنانے بیٹھ جاتے، سیٹھ صاحب بیڑی پیتے جاتے اور سنتے جاتے، جیسے بھینس کے آگے بین!

بہار تازہ

ڈاکٹر سہراب جی نے بڑی تن دہی سے رعنا کا علاج کیا۔ میں نے تیمارداری میں دن رات ایک کر دیا، رات رات بھر اس کی پٹی سے لگا بیٹھا رہتا، وہ میرا یہ حال دیکھتی اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ــ

میں پوچھتا۔

کیا ہے رعنا، یہ آنسو کیوں؟

وہ جلدی سے آنسو پونچھ لیتی اور کہتی

کچھ بھی تو نہیں!

میں کہتا

چھپاؤ نہیں بتاؤ!

وہ ٹکٹکی لگا کر میری طرف دیکھنے لگتی اور کہتی

کتنے اچھے ہیں آپ، کتنی ناپاک ہوں میں!

میں اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتا

بس بس، خبردار جواب کچھ کہا!

اس کے چہرے پر تازگی آجاتی، وہ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہتی :۔

ایک بات پوچھوں؟

ہاں ہاں شوق سے!

اگر میں اچھی ہوگئی ——————

اگر کیا ضرور اچھی ہو جاؤ گی۔

تو آپ مجھے اپنی خدمت کا موقع دیں گے ؟

میں پیار سے اس کے گالوں پر ہاتھ پھیرتا اور کہتا۔

تم خدمت کے لئے نہیں راج کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہو حکومت تم کروگی خدمت میں ۔

وہ خوش ہوجاتی اس کے سوکھے ہوئے چہرے پر شادابی آجاتی ۔لیکن شاید وہ اپنی زندگی سے مایوس ہوچکی تھی، یہ شادابی زیادہ دیر تک نہ قائم رہتی، پھر افسردگی کا رنگ غالب آجاتا اور وہ چپ سادھ لیتی، میں اُسے دلاسا دیتا :

رعنا! آدمی بنو، خود موت کو دعوت کیوں دیتی ہو ؟

وہ آہ سرد بھر کر کہتی

زندگی نے میرے ساتھ کیا کیا، جو اس کی تمنا کروں ؟

میں کہتا

پھر میری خدمت کون کرے گا ؟ میرے لئے بھی زندہ نہیں رہنا چاہتیں؟

آپ کو تو اپنی ساری زندگی دے سکتی ہوں!

زیادہ سخاوت نہ کیجئے ،اپنی زندگی اپنے پاس رکھئے ،لیکن زندہ رہیئے۔

بہت دن اسی طرح بیت گئے ،ڈاکٹر سہراب کے علاج نے حیرت انگیز فائدہ کیا، مرجھایا ہوا پھول پھر کھلنے لگا، سوکھے ہوتے چہرے پر پھر شادابی تیرنے لگی ،بے رس آنکھیں پھر چھلکتا ہوا ساغر بن گئیں، ابھری ہوئی ہڈیاں پھر گوشت کے لبادہ میں روپوش ہوگئیں، رنگ پھر نکھر آیا، لبوں

پر مسکراہٹ پھر کھیلنے لگی آج سے ۲ مہینے پہلے کی رعنا میں اور آج کی رعنا میں زمین و آسمان کا فرق تھا، وہ ایک سوکھی ہوئی کلی تھی، یہ کھلتا ہوا پھول، وہ موت تھی، یہ زندگی وہ سکوت تھی یہ شرارت، اب رعنا پھر وہی رعنا بن گئی تھی، اماں جان صدقے و قربان ہو رہی تھیں، گل رخ خوشی کے جھولے میں جھول رہی تھی، میں نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

کہئے راوی کیا کہتا ہے؟

وہ بولی

کیا مطلب ؟

میں نے کہا

زندہ رہو گی یا مرو گی ؟

وہ مسکراتی ہوئی بولی

"کہا جو مرنے کو مر گئے ہم، کہا جو جینے کو جی اٹھے ہم
اب اور کیا چاہتا ہے ظالم ترے اشاروں پہ چل رہے ہیں"

میں نے کہا ۔

لاجواب کر دیا بھئی، آؤ، اب پیمان وفا باندھیں !

وہ بولی

وہ تو میں نے اسی دن باندھ لیا تھا، جس دن بے یار و مددگار ایک کالی رات کو منہ ڈھانپے، آپ کے ہاں پناہ لینے پہنچی تھی !

خوب باتیں کرتی ہو تم تو رعنا !

آپ کے فیض صحبت کا اثر ہے !

رعنا اچھی بھی ہوئی اور سنبھل بھی گئی، وہ اب صحیح معنوں میں میری

بن گئی تھی، میرے اشاروں پر چلتی تھی، میں نے ایک دن پوچھا

اب تو داغ مفارقت نہ دو گی!

وہ خفا ہو گئی

ایسی باتیں نہ کیا کیجئے!

کیوں، غصہ آجاتا ہے؟

نہیں، شرمندگی، مجھے شرمندہ نہ کیا کیجئے!

میں خاموش ہو گیا

صحت مند ہونے کے بعد رعنا کچھ اور تروتازہ ہو گئی میں اُسے لے کر ایک مشہور فلم کمپنی میں گیا، مالک سے میری پُرانی ملاقات تھی، رعنا کا میں نے تعارف کرایا، اور وہ اس کی باتوں سے ایسا متاثر ہوا کہ فوراً دو ہزار ماہوار پر سال بھر کا ایگریمنٹ کر لیا۔

واپسی پر رعنا نے کہا

اب میں چمکوں گی!

ہاں، سورج، اور چاند کی طرح!

اُس نے کہا

اب میرا کام دیکھئے گا!

ہاں! کام ہی نہیں نام بھی!

لیکن یہ سب کس کا کرشمہ ہے؟

تمھارے حسن کا!

وہ میرے قریب آگئی، اور سرگوشی کے لہجہ میں بولی

نہیں۔

پھر کس کا ؟
بتا دوں ؟
ہاں بتاؤ۔
آپ کا ـــــــــــــ
اور اس نے اپنا سر میرے بازو پر رکھدیا اور سسکیاں لینے لگی،
میں نے کہا
یہ کیا ؟
وہ مسکرانے لگی ، اور آنسو پونچھ ڈالے ، کہنے لگی
آپ کو میری ایک بات ماننی پڑے گی ۔
میں نے کہا
مانوں گا ، کہو
کہنے لگی :۔
ہم کہیں اور تم کہیں ، اب یہ نہیں ہو سکتا ، یہ نہیں ہونے دوں گی !
پھر ـــــ ؟ یعنی ؟
یا آپ مجھے اپنے ساتھ رکھئے ، یا آپ میرے میرے ساتھ رہیے ۔
میرا دل خوشی کے مارے بلیوں اچھلنے لگا ، میں خود یہی چاہتا تھا ،
میں نے کہا :۔
رعنا تم میری ہو ، میں تمھارا ہوں ، جو کہو میں کرنے کو تیار ہوں ۔
بس ، یا تو اپنے ساتھ لے چلئے یا میرے ساتھ چلئے ۔
چلو تمھارے ساتھ چلتا ہوں !
ہم پھر گھر پہنچے ، رعنا نے ماں سے صاف صاف کہہ دیا ۔

انجان صاحب کو، بہت کچھ کھو کر میں نے پایا ہے، یا تو تم ان کا دامن پکڑ کر رو کو، ورنہ میں ان کے ساتھ چلی!

ماں کا دل دکھا ہوا تھا، قاسم کا واقعہ پھر اسے یاد آگیا وہ رونے لگی میں نے کہا

آپ گھبرایئے نہیں، میں قاسم نہیں ہوں، رعنا کو آپ سے چھینوں گا نہیں آپ کو میں ماں کی طرح مانتا ہوں گل رخ میری بہن ہے کہیئے تو اپنا گھر چھوڑ دوں اور یہیں آ رہوں!

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں، بڑی بی نے میری بلائیں لیں کہنے لگیں۔

تم آ جاؤ میرے اندھیرے گھر تو گھی کے چراغ جلاؤں!

گل رخ ناچنے لگی!

میرے بھیا اب یہیں رہیں گے!

اور میں واقعی وہیں رہ پڑا۔

کچھ دنوں کے بعد میرا اور رعنا کا چپ چپاتے نکاح بھی ہو گیا شادی کے بعد میں نے رعنا کو اور زیادہ قریب سے دیکھا واقعی عجیب و غریب عورت تھی جھکنا اور لچکنا تو جانتی ہی نہیں تھی، وہ چاہتی تھی۔ لوگوں کے دلوں پر راج کرے اور اب واقعی، وہ خلقت کے دل پر راج کر رہی تھی، وہ چاہتی تھی، بلند بام، لیکن فن نا آشنا ایکٹرسوں کو کنوئیں جھکائے، اور واقعی اب وہ ایسا ہی کر رہی تھی، میں نے دیکھا تھا کتابوں میں پڑھا تھا کہ عورت مرد سے انتقام لینے کے لئے طوائف بنتی ہے، ایکٹرس کا روپ اختیار کرتی ہے سوسائٹی گرل کا لباس پہنتی ہے یا یہ سب کچھ اسے سماج کے برے برتاؤ سے مجبور ہو کر کرنا پڑتا ہے، رعنا

کا دل مردوں سے بالکل صاف تھا۔ آئینہ کی طرح صاف اور شفاف، سماج سے بھی اُسے کوئی خاص شکایت نہیں تھی، ہو بھی نہیں سکتی تھی اس لئے کہ نہ وہ ترقی پسند ادیب تھی نہ سیاسیات سے دلچسپی لیتی تھی۔ اُسے عورتوں سے شکایت تھی عورتوں سے نفرت تھی وہ یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی عورت کسی عورت کو ذلیل سمجھے یا بغیر استحقاق کے آگے بڑھے، وہ جب خوبصورت اور بد سیرت عورتوں اور دوشیزاؤں کو زرنگار لباس میں ملبوس، اعلیٰ درجہ کی کاریں سیر کرتے، بڑی بڑی مجلسوں میں پہنچتے اور رنگ رلیاں کرتے، بڑے بڑے مردوں سے ملتے اور انھیں اسیر دام کرتے دیکھتی تھی تو جل ہی تو جاتی تھی، وہ دل ہی دل میں اعتراض کرتی تھی اور کہتی تھی، میں اس عورت سے کس بات میں کم ہوں! جب کم نہیں تو یہ فرق کیوں؟ مجھے کھانے کو روٹی بھی نہیں ملتی، اور اس کے دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے جاتے ہیں، میرے کان میں سونے کا بندا بھی نہیں، اور یہ ہیرے جواہرات سے گھری ہوئی ہے میں ٹرام میں سفر کرتی ہوں، یہ موٹر میں ٹہلنے نکلتی ہے، میری کوئی بات بھی نہیں پوچھتا اور اس پر لوگ پروانہ وار قربان ہوتے ہیں، اس کا خاندان مجھ سے اچھی نہیں، اس کا گانا اور ناچ بھی مجھ سے اچھا نہیں پھر یہ فرق کیوں ہے؟ یہ بھی اپنی عصمت اور آبرو کے دام لیتی ہے، میں بھی اپنی عصمت اور آبرو کا سودا کرتی ہوں۔ لیکن مجھے پھوٹی کوڑی بھی نہیں ملتی اور اس کا گھر سونے سے بھرا ہوا ہے، سوچتے سوچتے وہ اس نتیجہ پر پہنچتی تھی کہ تمام لوگوں میں شریف اور رذیل و غریب اور امیر کا فرق ہے، اسی طرح عصمت فروش طبقہ میں بھی اونچ نیچ، دولت اور غربت کی حدیں قائم

ہیں اور اس نتیجہ پر پہنچنے کے بعد وہ غصہ سے بے قابو ہو جاتی تھی، چاہتی تھی ان تمام عورتوں کو مار ڈالے جو عصمت بیچ کر بھی بڑی بنتی ہیں اور ان تمام مردوں کا گلا گھونٹ دے، جو شان دار ہوٹل کو دیکھتے ہیں اور لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں، یہ نہیں دیکھتے، یہ نہیں سوچتے، جو مال پیش کیا جا رہا ہے وہ کیسا ہے؟ یہ اگر مجھے چکھیں، اور میں ان اونچی عورتوں سے زیادہ لذیذ ثابت ہوں، تب تو ایک بات بھی ہے، لیکن یہ میری طرف رخ بھی نہیں کرتے اور شان دار ہوٹل کی طرف کھنچے چلے جا رہے ہیں۔

لیکن اب نئی زندگی پاکر، رعنا کا جذبۂ انتقام سرد پڑ گیا تھا۔ اس کی خودی کو تسکین مل گئی تھی، اب وہ بہت اونچے مقام پر فائز تھی، اعلےٰ درجہ کی کار میں سیر کرنے نکلتی تھی، زرق برق لباس پہنتی تھی، قاسم کے حادثہ کے بعد اس کی جنسی بھوک ختم ہو چکی تھی۔ اور اب وہ مردوں پر نظر بھی نہیں ڈالتی تھی، اور اپنی برادری کی عورتوں کے ساتھ تو اس کا برتاؤ بہت برا تھا، برادری کی یعنی فلم لائن کی جو عورت جتنی "نیچ" ہوتی تھی۔ اتنی ہی رعنا کو بھاتی تھی اور جتنی اونچی ہوتی تھی اتنی ہی اس سے نفرت کرتی تھی، حد ہو گئی، ایک مرتبہ وہ ریحانہ سے بھری مجلس میں مظفر کے سامنے اور میری موجودگی میں الجھ گئی، ریحانہ نے کہیں ہنسی ہنسی میں کہہ دیا۔

اب تو مس رعنا کا حسن چھوٹا پڑتا ہے، زمین پر قدم نہیں رکھتیں!

کہنے لگی:

بڑی مشکل سے اس درجہ کو پہنچی ہوں!

ریحانہ نے چھیڑا۔

پھر تو بڑی خوش نصیب ہو، پہنچ تو گئیں منزلِ مقصود تک!

تڑسے بولی:۔

خوش نصیب تو آپ ہیں، منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے میں نے تکلیفیں جھیلیں، فاقے کئے اپنی خودی بیچی، اکسٹرا سپلائر کی زرخرید لونڈی بنی، اور آپ کو کچھ نہیں کرنا پڑا، سوا اس کے کہ محمود صاحب کے غریب خانہ سے نکل کر ایک ہی جست میں مظفر صاحب کے دولت کدے میں پہنچ گئیں اور اب ماشاءاللہ آپ ہی آپ ہیں، خدا نظرِ بد سے بچائے۔

ریحانہ کی آنکھیں نیچی ہو گئیں، ماتھے پر پسینہ آگیا، یہی کیفیت مظفر کی اور بالکل یہی حال میرا ہوا، حاضرین بھی خاموش، مجھے زندگی میں پہلی اور شاید آخری بار رعنا پر غصہ آیا، لیکن غصہ کے اظہار کا یہ موقع نہ تھا، تیر کمان سے نکل چکا تھا اور اب اُسے واپس نہیں کیا جا سکتا تھا۔

گھر پہنچنے کے بعد، میں نے رعنا کو ٹیڑھی آنکھیں دکھائیں۔

یہ کیا لغو حرکت تھی؟

وہ معصومیت کے ساتھ بولی:۔

کیا؟

میں نے خفگی کے لہجہ میں کہا:۔

یہ تم ریحانہ سے کیوں الجھ پڑیں؟

اس نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

الجھ پڑی؟ کب؟

میں اور بگڑا۔

محمود اور مظفر کے طعنے بھری مجلس میں کس نے دیئے تھے؟ میں نے؟

وہ مسکرا دی،

اوہ تو کیا ہوا؟ انھوں نے بھی تو چھیڑا تھا مجھے۔

مجھے اس انداز پر ہنسی آگئی، وہ بھی ہنسنے لگی، پھر اس نے پوچھا

جل کیوں گئے تھے؟

میں نے کہا

بے تکی بات تھی مظفر کو بھی شرمندہ ہونا پڑا اور ریحانہ کو بھی!

تیکھی چتون سے مجھے دیکھتی ہوئی بولی

اے ہے بڑا شرمندہ ہونا پڑا۔ شرم ہے بھی دونوں میں سے کسی کے پاس؟—— شرافت اور یہ؟—— میری زبان زیادہ نہ کھلوانا ہاں——!

میں نے کہا

زبان کھولوگی بھی تو اس سے زیادہ کیا کہوگی، جو کہہ چکی ہو؟

وہ ذرا سنجیدگی سے بولی

میں کہتی ہوں دوسرے کو یہ لوگ پھلتے پھولتے کیوں نہیں دیکھ سکتے؟ اور پھر لطف یہ کہ اپنی آنکھ کا شہتیر تو دیکھتے نہیں دوسرے کی آنکھ کا تنکا فوراً نظر آجاتا ہے! خود رنڈیوں اور لچوں کو مات کردیں تو کچھ نہیں اور ہمارے دن کبھی پھر جائیں تو برداشت نہ ہوسکے، کم ظرفی کی حد بھی ہے کوئی؟

اتنے میں گل رخ بھی آگئی اور آتے ہی مجھے چھیڑنے لگی——

رعنا نے اُسے ڈانٹا بھی، لیکن وہ میری حفاظت میں آنے کے بعد بھلا کس کی پروا کرتی تھی!

سینما کا پروگرام اس کی فرمائش سے بنا اور ہم تینوں ٹیکسی میں

بیٹھکر اکسیلسیئر سینما چلے گئے — وہاں ایک انگریزی فلم " الف لیلہ کی ایک رات" دکھائی جا رہی تھی، اس سے قبل کلکتہ اور دوسرے شہروں میں بہت مقبول ہو چکی تھی، اور بمبئی میں بھی خاصا رش لے رہی تھی —

مس نجمہ ہیراچند

دنیا کی رونقیں بدستور قائم تھیں، اور زمانہ دن رات کی صورت میں اپنا تانا بانا بنے جارہا تھا، دو برس کی مدت پلک جھپکاتے گذر گئی اور اس مختصر سی مدت میں بڑے بڑے انقلاب آگئے۔

چاندنی ایک چاند سی بچی کی ماں بن گئی اور اس چاند سی بچی نے سارے گھر کو تہ و بالا کردیا، بچہ کے پاؤں پالنے میں پہچانے جاتے ہیں جس بچی نے دنیا میں آتے ہی قیامت خیز انقلاب بپا کردیا، وہ جوان ہوکر تو شاید ملکوں اور قوموں کی قسمت بدل دے، یہ ہوا کہ بچی کے پیدا ہوتے ہی چمن باقی کے خزاں دیدہ چمن میں بہار آگئی، مارے خوشی کے انھوں نے سارا گھر سر پر اٹھا لیا، چاندنی کی جوانی اب اس عروج پر تھی جس کے بعد زوال شروع ہوتا ہے، یعنی چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات اس نئی نویلی ننھی منی بچی نے، شاندار اور خوش گوار مستقبل کی ایک دنیا لاکر دست بستہ سامنے کھڑی کردی، خود چاندنی بھی بہت خوش تھی اور فتو تو اس طرح صدقے قربان ہورہا تھا، اس بچی پر، جیسے یہ اسی کا شاہکار ہو اور سیٹھ ہیراچند نے جیسے ہی بچی کی خبر ولادت سنی، ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے، انھیں حیرت بھی تھی اور غصہ بھی کہ یہ بچی بغیر کسی کوشش کے، تحفۂ آسمانی کی طرح کہاں سے ٹپک پڑی؟ سیٹھ

صاحب کو اپنی پاک دامانی پر ایمان تھا، انھوں نے چاندنی کو بیوی بنایا تھا، اُسے سامنے بٹھا کر پوجا بھی تھا، اس کی ایک ایک ادا پر جان دیتے تھے اسے دیکھ دیکھ کر جیتے تھے، کبھی کبھار اُسے پیار بھی کر لیتے تھے، اس سے آگے بڑھنے کی کوشش تو انھوں نے کئی دفعہ کی مگر کامیاب کبھی نہیں ہوئے خود چاندنی کو ان پر کئی مرتبہ ترس آ گیا اُس نے کافی حوصلہ افزائی کی، مگر ان تلوں تیل ہی نہ تھا گویا کا معاملہ تھا۔ غرض سیٹھ صاحب کو اچھی طرح یاد تھا کہ انھوں نے کبھی اپنے دامنِ عصمت کو داغ نہیں لگنے دیا، تو یہ بچی کہاں سے نمودار ہو گئی۔؟ وہ سوچ رہے تھے کیا یہ کوئی معجزہ ہے؟ اور سوچتے سوچتے جھلّاتے جاتے معجزہ کے لئے میرا ہی گھر رہ گیا تھا؟

آخر ان سے ضبط نہ ہو سکا، چاندسی بچی پالنے میں دنیا و مافیہا سے بے خبر سو رہی تھی، چمن بائی مع اپنے دونوں بے قاعدہ اور باقاعدہ شوہروں کے جشنِ مسرت کی تیاریاں پورے اہتمام و انہماک کے ساتھ کر رہی تھیں، فتو بھی بڑے جوش و خروش سے اندر سے باہر اور باہر سے اندر آ جا رہا تھا کہ ٹھاٹھ دار دعوت میں کوئی کسر نہ رہنے پائے۔ سیٹھ ہیرا چند سانپ کی طرح بل کھاتے کمرے میں تشریف لاتے، چاندنی آرام سے لیٹی ہوئی تھی، نرس ابھی ابھی اپنے کسی آشنا کو ٹیلیفون کرنے گئی تھی۔ وہ کرسی کھینچ کر چاندنی کے قریب بیٹھ گئے آنکھوں سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے! بیٹھتے ہی فرمایا:۔

یکوں جی، یہ کیا مذاق ہے؟

چاندنی نے پوچھا:۔

مذاق کیسا؟

یہ لڑکی کسی کی ہے ؟

اُس نے بڑی متانت سے جواب دیا

میری!

بپھر ہی تو گئے۔

میں پوچھتا ہوں اس کا باپ کون ہے؟

چاندنی نے ایک نظر سیٹھ صاحب پر ڈالی، اور پوچھا

تمھیں انکار ہے ؟

سٹ پٹا گئے۔

کیا مطلب ؟ میری ہے یہ لڑکی ؟ ——— یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

چاندنی نے کوئی جواب نہ دیا، وہ سیٹھ صاحب کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی سامنے دیوار پر ایک خوبصورت تصویر آویزاں تھی، اسی طرف ٹکٹکی لگا دی۔ سیٹھ صاحب نے چاندنی کو لاجواب دیکھکر اپنا پلہ بھاری پایا، لہٰذا اب کے ذرا تیہے کے ساتھ پوچھا:-

بتاؤ ؟

وہ پھر بھی خاموش رہی، اور وہ چیخے!

میں کتا ہوں ؟

چاندنی نے جواب دیا،

یہ میں نے کب کہا ؟

پھر جواب کیوں نہیں دیتیں ؟

کوئی بات بھی ہو ؟

دھاندلی اور بے غیرتی کی حد ہے ——— میں پوچھتا ہوں یہ لڑکی کس کی ہے ؟

اس نے تیوری چڑھا کر کہا

کہہ تو رہی ہوں میری !

بگڑ کر بولے۔

اور اس کا باپ ؟

اس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

تم میں انکار کرنے کی ہمت ہے ؟

پھر ذرا گھبرائے۔

یعنی اقرار کر لوں ؟ مان لوں یہ میری لڑکی ہے ؟ میری اولاد ہے ؟

مجھ سے کیا پوچھتے ہو، خود سوچو !

یہ ہرگز نہیں ہو سکتا !

تو آج کی دعوت میں اعلان کر دو سب کے سامنے کہ بچی تمھاری نہیں ہے !

ہاں ضرور ایسا کروں گا !

ہاں ہاں کرو، کس نے منع کیا ہے ؟ میرا کیا ہے، میں تو جیسی ہوں دنیا جانتی ہے، لیکن تمھارے منہ پر وہ کالک لگے گی کہ چھٹائے نہ چھٹے گی، سمجھے ——— ؟

کرسی سے اٹھ کر ٹہلنے لگے ——— ؟

اچھی زبردستی ہے۔

چاندنی نے کوئی جواب نہیں دیا، ٹہلتے ٹہلتے فرمانے لگے۔

کیوں جی میرے ساتھ یہ غداری ؟
چاندنی کی پھر تیوریاں چڑھ گئیں ،
غداری۔؟
ہاں اور کیا ؟
چاندنی نے کہا ،
کچھ سٹھیا گیا ہے بڈھے ؟
سیٹھ صاحب پر جیسے فالج گر گیا ؛ اس کئی لاکھ کی شان دار کوٹھی میں کئی ہزار ماہوار وصول کرنے والی محبوبہ ان سے روبرو کہہ رہی تھی ۔ کئی سٹھیا گیا ہے بڈھے ؟ ان کا جی چاہا زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائیں ، لیکن قبل اس کے کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سمائیں وہ دو دو باتیں کر لینا چاہتے تھے ، انھوں نے کہا
زبان سنبھال کر بات کرو چاندنی !
چاندنی بھی اس وقت قابو میں نہ تھی ، اس نے کہا
کچھ اور سنو گے ؟
سیٹھ صاحب نے جیسے کچھ نہیں سنا ، فرمایا ۔
میں سٹھیا گیا ہوں ؟ میں بڈھا ہوں ؟
پھر کیا ہو ؟ گبرو جوان ہو ؟
گبرو جوان نہیں تو سٹھیایا ہوا بوڑھا بھی نہیں ہوں !
پھر لڑکی کے باپ بنتے ہوئے کیوں جھینپتے ہو ؟
عجیب ٹیڑھا سوال ہے ؟ آخر تمھارا مطلب کیا ہے ؟ قبول لوں کہ لڑکی میری ہے ؟

قبولنا ہی پڑے گا ؟

کیوں قبولنا پڑے گا ! کچھ زبردستی ہے ؟

ہاں ! ہمارا حکم ہے !

پگھل کر بولے

چاندنی مجھے تم سے یہ امید نہ تھی کہ میرے ساتھ وشواس گھات کرو گی

—؟ میرے ساتھ !

اور یہ کہتے کہتے ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، چاندنی نے ذرا ملائم لہجہ میں کہا—

تمھیں یاد نہیں ————

کیا یاد نہیں — ؟

لڑکی تمھاری ہے ؟

میری ؟ میری ہے ؟

ہاں اور کیا آسمان سے ٹپک پڑی ہے ؟ مجھے سمجھے کیا ہو ؟

لیکن کیسے مان لوں — ؟

وہ ناز و انداز کے ساتھ بولی

اسی سے تو کہتی ہوں سٹھیا گئے ہو۔

آخر وہ کیسے — ؟

یاد کرو وہ دن، جب ———— تم ڈاکٹر مستری کے ہاں سے انجکشن لگوا کر آئے تھے ———— کہہ دیجئے یاد نہیں۔

کیسے کہہ دوں، خوب یاد ہے ؟

کیا کہا تھا تم نے مجھ سے آکر ؟

یہ نہیں یاد۔!

تم میرے پاس آکر بیٹھ گئے تھے، پھر میرے بہت قریب آگئے ۔۔ میں نے کہا ہٹو، دور بیٹھو، تم نے اپنی نشیلی آنکھیں میرے چہرے پر جما دیں، میں شرما گئی پھر ۔۔۔۔۔۔ اب آگے میں کیا کہوں ؟ مجھے شرم آتی ہے ۔۔۔۔۔۔

واقعی اس دن تم بالکل جوان لگ رہے تھے ۔

سیٹھ صاحب سر کھجانے لگے کچھ دیر سوچتے رہے پھر فرمایا ۔

ہاں کچھ کچھ یاد تو آتا ہے ۔

دکھاؤں اپنی ڈائری ؟

کیا دکھاؤ گی ؟

ٹھیک نو مہینے پہلے کی بات ہے، اسی دن کی تمھاری شرارت کا نتیجہ یہ چھوکری ہے ۔۔۔۔۔۔ تم ایسے ہی بھلکّڑ بن جاؤ گے، تو میں اب تمھیں کبھی اپنے پاس کبھی نہیں آنے دوں گی !

مزے میں آکر بولے :۔

بھول چوک تو آدمی کے ساتھ لگی ہی رہتی ہے ۔

ہاں تم شراب بھی تو پیتے ہوئے تھے !

شراب تو میں روز پیتا ہوں ۔

شراب پی کر، حواس خود کھو دو، اور جواب دہی میں کروں ؟ نا بابا ۔ مجھے معاف کرو، بھر پایا، تم نے تو اب مجھے منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھا تھا، جاؤ میں نہیں بولتی !

اور اس نے پیٹھ پھیر کر کروٹ بدل لی، سیٹھ صاحب نے کہا

چاندنی ۔۔!

اس نے کوئی جواب نہ دیا، بڑے پیار سے بولے

سنو تو ---؟

مگر صدائے برنخاست!

اتنے میں لڑکی پالنے سے رونے لگی، محبت پدری سے بے قابو ہو کر لپکے اور اسے گود میں لے کر پیار کرنے لگے، چاندنی کن انکھیوں سے یہ دلچسپ منظر دیکھ رہی تھی، اس نے کہا

خبردار یہ کیا ہو رہا ہے؟

پیار!

پرائی لڑکی کو ---؟

سیٹھ صاحب نے ایک قہقہہ لگایا۔

ہونھ پرائی ------ پرائی ہوتی تو گلا گھونٹ دیتا، دیکھو میری طرف کیسا تاکے جا رہی ہے، آخر خون کا جوش بھی تو کوئی چیز ہے!

چاندنی نے مسکراتے ہوئے کہا:۔

کیوں نہیں ہے، گود میں آتے ہی چپ ہو گئی ماں زادی!

بگڑ کر بولے۔

اسے کچھ نہ کہنا ورنہ اچھا نہ ہوگا۔

چاندنی اٹھ بیٹھی، لڑکی کو محبت بھری نظر سے دیکھا اور کہنے لگی:۔

بالکل باپ پر پڑی ہے؟

تمھارا مطلب یہ ہے کہ اس کی صورت مجھ سے ملتی ہوئی ہے۔

میرا مطلب کیا! آئینہ دیکھ لو نا ---!

سیٹھ صاحب الماری کے قد آدم آئینہ کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے

اور اپنا چہرہ نوزائیدہ لڑکی سے ملانے لگے، اتنے میں چمن بائی آگئیں۔
اے میں صدقے، اے میں قربان، میری بچی!
وہ لپکیں کہ سیٹھ صاحب کی گود خالی کردیں مگر وہ پیچھے ہٹ گئے۔
میری گود میں بہت شانت ہے!
کہنے لگیں:۔
کتنی پیاری گڑیا ہے، سیٹھ جی آپ بھی بچپن میں بالکل ایسے ہی ہوں گے۔
سیٹھ صاحب نے پوچھا۔
کیا مطلب؟ اس کی صورت مجھ سے ملتی ہوتی ہے؟
ملتی ہوئی ہے؟ ہو بہو، چربہ ہے آپ کا سیٹھ جی!
واقعی!ـــــــ ارے فتو!
فتو فوراً آگیا، چمن بائی نے کہا
بول حرامزادے یہ بچی، سیٹھ صاحب سے ملتی ہے یا چاندنی سے۔؟
فتو نے کہا۔
سچ سچ کہہ دوں۔!
ہاں موئے پھوٹ تو منہ سے کچھ۔!
خفا ہو جاؤ گی!
اتارتی ہوں جوتی پھر۔ بول!
فتو نے ایک نظر بچی پر ڈالی، ایک سیٹھ صاحب پر ایک اپنے اوپر۔
اور کہا۔
اپنے باپ سے!
اس ذومعنی جواب پر چاندنی مسکرا دی چمن بائی چاندنی کے حاملہ ہونے

کی خبر سنکر ہی سمجھ گئی تھیں، یہ آگ کس کی لگائی ہوئی ہے۔ اکیلے میں انھوں نے چاندنی کو ڈانٹا بھی تھا اور فتو کے خوب جوتے بھی لگائے تھے، لیکن اس فصیح و بلیغ جواب پر وہ بھی ہنسی نہ ضبط کر سکیں۔ کھلکھلا پڑیں ——— کہنے لگیں۔

مواحرامی کہیں کا!

سیٹھ صاحب نے فتو کا ساتھ دیا!

اس نے سچی بات کہہ دی، تو خفا کیوں ہوتی ہو؟ واقعی ہو بہو میرا نقشہ ہے میری بچّی!

بچّی نے سیٹھ صاحب کی گود میں پیشاب کر دیا، ارے کہہ کر انھوں نے ایک محبت بھری نظر بچی پر ڈالی اور فتو سے کہا:۔

سارے کپڑے خراب کر دیئے لونڈیا نے!

چمن بائی بولیں

سیٹھ جی، اللہ رکھے یہ تو ہوگا!

وہ بڑے جوش سے بولے

ہاں ہاں ہو، میں کچھ بُرا تھوڑے مانتا ہوں!

لڑکی سیٹھ صاحب کی گود سے فتو کی گود میں وہاں سے چمن بائی کے آغوش میں وہاں سے پالنے میں پہنچ گئی، سیٹھ صاحب نے کہا

دعوت کا انتظام ہوگیا!

چمن بائی نے کہا

ہاں ہو رہا ہے۔

فرمایا:۔

کوئی کسر نہ رہنے پائے، سارا شہر پکار اٹھے کہ سیٹھ ہیرا چند نے اپنی بچی کے پیدا ہونے پر ایسا دھوم دھام سے جشن منایا۔

وہ بولیں:۔

اطمینان رکھئے ایسا ہی ہوگا!

سیٹھ صاحب نے چاندنی کو مخاطب کیا۔

سنتی ہو۔

چاندنی پھر کچھ کچھ روٹھ گئی تھی اس نے ذرا خشک لہجہ میں کہا:۔

کیا ہے؟

میں نے کہا لڑکی کا نام کیا رکھو گی؟

مجھے تو نجمہ اچھا لگتا ہے!

بچوں کی طرح اٹھلاتے ہوتے بولے:۔

نہیں بھئی ـــ!

پھر ـــ؟

ہیرا بائی!

چاندنی اٹھ بیٹھی

کیا کہا ـــ؟

ہیرا بائی نام رکھیں گے اس کا؟

وہ بگڑ کر بولی

پھر میں کہدوں گی کچھ!

تو کہتیں کیوں نہیں؟

بس زیادہ بحث نہ کرو، کہہ دیا لڑکی کا نام نجمہ ہوگا!

سیٹھ صاحب پر اوس پڑ گئی، بلکہ وہ چکر میں پڑ گئے کچھ زیادہ بولتے تو ہندو مسلم فساد کا اندیشہ تھا، خاموش رہتے تھے تو اچھی خاصی لڑکی ہاتھ سے نکلی جارہی تھی، چمن بائی کے تدبر نے بھانپ لیا۔ سیٹھ صاحب چہ کنم کے چکر میں پڑے ہیں، وہ بڑی دور بین عورت تھیں، ان کا عقیدہ تھا۔

"مرے بت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو"

فوراً بیچ بچاؤ کرا دیا، کہنے لگیں

او نخر یہ بھی کوئی بات ہے؟

چاندنی نے کہا

ہم بات وات نہیں جانتے، نام نجمہ کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا!

سیٹھ صاحب نے ایک فارمولا ایجاد کیا۔

اچھا تم نجمہ کہا کرو، ہم ہیرا بائی کہا کریں گے!

یہ بھی نہیں ہو سکتا، نجمہ نجمہ ہی رہے گی!

چمن بائی نے کہا

میری مانو تو کچھ میں بھی کہوں؟

سیٹھ صاحب نے کہا

مانیں گے، کہئے!

چاندنی بولی

اماں تم ہر معاملہ میں دخل نہ دیا کرو!

محبت بھرے لہجہ میں فرمایا

چپ مردار—!

پھر سیٹھ صاحب سے کہا۔

بچی کا نام ہوگا، مس نجمہ ہیراچند

سیٹھ صاحب اچھل پڑے،

بھئی خوب، ٹھیک! بالکل ٹھیک!

چاندنی بھی مسکرا کر خاموش ہوگئی!

اور اس طرح چمن بائی کے تدبر سے یہ بہت بڑا فتنہ سر اٹھاتے اٹھاتے بیٹھ گیا۔

ڈراپ سین

میں اور رعنا مزے کی زندگی بسر کر رہے تھے، وہ میری بیوی بھی تھی، اور محبوبہ بھی، کلی کو پھول بنتے سب دیکھتے ہیں، پھول کو کلی کا جامہ پہنتے میرے سوا کسی نے نہیں دیکھا ہوگا، رعنا جب کلی سے پھول بنی، تب وہ دوسروں کے حصہ میں آئی، پھول بن کر دوسروں کی گود میں کھلی، مرجھا کر میری آغوش میں آئی، اور یہاں محبت کی ہواؤں اور لوریوں نے اُسے پھر کھلا دیا، ایسی کھلی کہ ایک نو شگفتہ کلی معلوم ہونے لگی، رعنا کی عمر آج سے چار پانچ سال پہلے کے مقابلہ میں چار پانچ سال زیادہ تھی، لیکن اپنی عمر سے وہ کئی سال چھوٹی معلوم ہو رہی تھی، میرے دامن میں آکر، اُسے آسودگی ملی، محبت ملی، شہرت ملی، انتہائی آسودگی، والہانہ محبت، شہرت کا عروج، لیکن اس دفعہ اس کے پاؤں ذرا بھی نہیں ڈگمگائے، وہ وفا کے میدان میں ثابت قدم رہی، میرا حق اُس نے پھر کسی اور کو نہیں دیا۔

مظفر اور ریحانہ کی زندگی بھی مزے میں کٹ رہی تھی، ریحانہ محمود کو بھول چکی تھی، مظفر کے دل سے عارفہ کی یاد نکل چکی تھی اور خود عارفہ کا کیا حال تھا؛ وہ رتنا گیری کالج میں خاموشی کی زندگی بسر کر رہی تھی، دنیا و مافیہا سے بے خبر، شاید وہ بھی مظفر کو بھول گئی تھی، لیکن کیا واقعی — ؟

اور ایک روز میں اسٹڈیو میں بیٹھا ہوا تھا کہ ملازم نے آکر اطلاع

وہی آپ کا ٹیلیفون آیا ہے ، میں فوراً اٹھا اور میں نے ٹیلیفون رسیور اٹھایا :
ہلو ــ !
کیا آپ انجان صاحب ہیں ؟
جی ہاں ، میں انجان بول رہا ہوں !
کیا آج شام کو چھ بجے آپ گرانڈ ہوٹل تشریف لا سکیں گے ؟
کیوں ـــ ؟
آپ سے ملنا ہے !
کیسے ــ ؟
یہ مل کر آپ معلوم کر لیجئے گا !
آپ کا نام ــ ؟
اس کی بھی اجازت نہیں ہے !
میں جھلا گیا ، میں نے کہا
تو میں نہیں آؤں گا ۔
اگر آپ نہیں آئے تو زندگی بھر کف افسوس ملیں گے ، ایک مخلص کا دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا ــ !
تو بتایئے آپ کون ہیں ــ ؟
کہہ دیا مصلحت ہے ، نام نہ پوچھئے ، لیکن آئیے ضرور ، آئیے گا ؟
مجھے جھنجلاہٹ بھی تھی ، پریشانی بھی ، حیرت بھی ، اشتیاق بھی ــ کہ یا الہٰی ماجرا کیا ہے ، کہ پھر آواز آئی ۔
بتایئے ، آئیے گا ؟
ہاں آؤں گا ـــ

میں اپنے کیبن میں چلا آیا، یہی سوچتا ہوا کہ یہ عجیب و غریب دعوت کس کی طرف سے ہے، کیوں ہے؟ اگر لیڈر ہوتا تو یہ زدو کوب کی دعوت بھی ہو سکتی تھی، اگر فلمستان کا شاطر ہوتا تو بھی یہ اندیشہ ہو سکتا تھا کہ واپسی گھر کے بجائے ہسپتال میں ہوگی، کیونکہ لیڈروں اور فلمی دنیا کے دل پھینک نوجوانوں کے ساتھ اکثر اس قسم کے حادثات ہوا کرتے ہیں، بہر حال ان میں سے کوئی بات بھی نہ تھی، پھر بھی دل دھڑک رہا تھا، دل کی دھڑکن کہتی تھی نہ جا، اور دل کا شوق کہتا تھا چل، اور بے تابانہ چل:

بہرحال شام ہو گئی اور میں ہدایت کے مطابق، گرانڈ ہوٹل کمرہ نمبر ۱۸ میں پہنچا، دروازہ بند تھا، سات آٹھ سال کا ایک خوب صورت بچہ نکلا اور مجھے دیکھتے ہی مسکراتا ہوا، پھر اندر بھاگ گیا، ارے یہ تو مظفر کا بچہ تھا، یہ کہاں سے آگیا، میں یہی سوچ رہا تھا۔ کہ ایک سفید ساری میں ملبوس عارفہ بیگم آتی دکھائی دیں، میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

ارے آپ!

وہ مسکراتی ہوئی مجھے ساتھ لے کر کمرہ میں پہنچیں اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہنے لگیں:۔

بڑی حیرت ہوئی آپ کو میرے آنے پر؟ مجھے دیکھکر؟

میں نے کہا

جی نہیں۔ ـــــــــ مگر ہے بھی حیرت، یہ یکایک آپ کیسے آگئیں؟

ساری کا پلو ٹھیک کرتی ہوئی بولیں،

آگئی ـــ

کچھ دیر تک خاموشی رہی، پھر انھوں نے مجھ سے پوچھا:

کہئے آپ کے دوست کا کیا حال ہے ؟

میں سمجھ گیا، مظفر کے بارے میں استفسار ہے یہ سوال کچھ ایسی سادگی لیکن ایسے وقار اور تمکنت کے ساتھ کیا گیا تھا کہ میرا دل ہل گیا، میں نے عارفہ کے چہرے پر نظر ڈالی کہ ان الفاظ کی تہہ میں جو آتش فشاں، لاوا اُگل رہا ہے اس کا اثر اس کے چہرے پر دیکھوں، مگر ایسا پر سکون اور پر تمکنت چہرہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ جیسا اس وقت عارفہ کا تھا، میں نے کہا:-

اچھے ہیں !

وہ خاموش ہوگئی، پھر بولی

اور ریحانہ —؟

وہ بھی اچھی ہیں ———— اب تو نکاح ہوئے بھی بڑی مدت گئی — !

جانتی ہوں — !

میں نے پوچھا

آپ سے اور مظفر سے خط و کتابت ہے ؟

وہ بولی

نہیں میں نے خود بند کردی !

میں نے کہا

معاف کیجیے گا، آپ نے اپنے ہاتھوں، اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری، آپ نے سانپ پالا، اُسے دودھ پلایا، اور اُس نے ڈس لیا، آپ نے جس پر احسان کیا اُس نے آپ کے ساتھ دھوکا کیا۔ آپ کی زندگی برباد ہوگئی اُمنگیں ختم ہوگئیں مستقبل تاریک ہوگیا ————

نجانے کب تک میں اسی طرح پر زور ڈائلاگ بولے چلا جاتا۔ لیکن عارفہ نے مجھے ٹوکا۔

سنیئے تو ——

فرمایئے ۔

وہ بولی :۔

جو کچھ ہو چکا اس پر بحث کرنے سے کیا فائدہ ؟ جو ہو رہا ہے اُسے نہ آپ روک سکتے ہیں ، نہ میں، جو ہوگا اُسے ہم میں سے کوئی نہیں جانتا —— اور ہاں آپ نے میرے مستقبل کو تاریک کہہ کر میرے سینہ پر گھونسہ مار دیا !

میں نے دیکھا، یہ کہتے کہتے عارفہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ لیکن صبر و ضبط اس پر ختم تھا۔ آنسو پی گئی اور کہنے لگی ۔

جب تک میرا بچہ زندہ ہے اور خدا اُسے سدا زندہ رکھے میرا مستقبل تاریک کرنے والے آپ کون ہوتے ہیں —؟

میں شرمندہ ہو گیا ، میں نے کہا

جی نہیں میرا مطلب یہ نہیں تھا ——

وہ بات کاٹتی ہوئی بولی

میں سمجھی، آپ میری ذاتی زندگی کی طرف اشارہ کر رہے تھے یعنی میرے اور مظفر کے تعلقات کے بارے میں !

جی ہاں، بالکل یہی بات تھی !

اس نے جواب دیا

لیکن آپ شاید بھول گئے ہیں نے جس دن یہ شہر چھوڑا تھا اُسی دن اپنی ذاتی زندگی ختم کر لی تھی ، اب میری آرزوں اور تمناؤں کا مرکز مظفر نہیں ، یہ

یہ میرا پیارا بچہ ہے!

کچھ دیر رک کر کہنے لگی۔

اور پھر میں بھاگتے کا پیچھا نہیں کرتی، جو مجھ سے دامن چھڑائے، میں اس کا دامن کیوں پکڑوں؟ آخر عزت نفس بھی تو کوئی چیز ہے۔ منظفر نے مجھے چاہا، میں نے چاہ کا جواب چاہ سے دیا، پھر وہ مجھ سے نفرت کرنے لگے، تو میں کیوں ہاتھ باندھے باندھے تعاقب کروں؟ کیا میں نفرت نہیں کر سکتی؟ بتائیے ۔!

میں چونک پڑا

آپ منظفر سے نفرت کرنے لگی ہیں ۔؟

کرنے لگی ہوں یا نہیں، اس سے بحث نہیں، یہ بتایئے مجھے نفرت کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ میں کر سکتی ہوں یا نہیں ۔؟

کیوں نہیں ضرور ۔!

بس تو بات ختم ہو گئی ——— آیئے کھانا کھائیں۔

میں اور عارفہ کھانے کی چیز پر جا بیٹھے اور پھر ہم دونوں میں باتیں ہونے لگیں۔

میں نے پوچھا

کالج میں چھٹی ہے آج کل؟

وہ بولی

جی نہیں!

میں نے پوچھا

پھر کیسے آنا ہوا ۔؟

اس نے کہا

یہ پوچھ کر آپ کیا کریں گے ؟

میں اس کا منہ دیکھنے لگا وہ بولی

میں نے استعفا دے دیا!

آپ نے استعفا دے دیا!

جی ہاں!

پھر اب کیا ہوگا ؟

وہ مسکرانے لگی،

آپ کا مطلب یہ ہے کہ اب رہوں گی کہاں ؟ کھاؤں گی کیا ؟ کروں گی کیا؟

جی ہاں میرا یہی مطلب ہے!

مجھے کافی تنخواہ ملتی تھی، یہاں صرف آج کی رات ٹھہروں گی ۔ صبح ہوتے ہی چل دوں گی!

میں دل ہی دل میں بھنا ہی تو گیا، آج یہ کیسی پہیلیاں بجھوا رہی ہے!

میں نے پوچھا ۔

آپ یہاں نہیں رہیں گی ؟

ہرگز نہیں!

صبح ہوتے ہی چلی جائیں گی ؟

انشاءاللہ ضرور

کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہاں ۔ ؟

پوچھئے، میں آپ سے چھپاؤں گی نہیں ——— میں واشنگٹن جا رہی ہوں!

عارفہ واشنگٹن جا رہی ہے، آج اسے ہوا کیا ہے ؟ کیا مظفر کی بے رُخی

نے اس کا دماغ ماؤف کر دیا ہے ؟۔ میں نے ذرا جھجکتے ہوئے پوچھا۔
لیکن کیوں ؟ وہاں جاکر کیا کریں گی آپ ؟
اس نے ایک سوگوار تبسم کے ساتھ کہا :۔
جو یہاں رہ کر نہ کر سکی !
میں پھر حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگا ، وہ میری کیفیت بھانپ گئی ۔ اس نے کہا ۔
آپ کو ذوقؔ کے کلام سے دلچسپی ہے ؟
اس بے تکے سوال پر میں نے جھلا کر کہا
بالکل نہیں "۔
اس نے کہا
کبھی کبھی پڑھ لیا کیجئے بڑے اچھے شعر نظر آجاتے ہیں اس کے ہاں بھی !
میں نے زچ ہو کر کہا
آجاتے ہوں گے ، مگر میرے سوال کا جواب دیجئے آپ تو کچھ اور باتیں کرنے لگیں ۔
اس نے کہا
آپ شاعر ہو کر ایسی باتوں سے الجھتے ہیں ، سنئے اس نے کہا ہے ؎
احاطہ سے فلک کے ہم تو کب کے نکل جاتے مگر رستہ نہ پایا
اب تو سمجھے آپ ؟
اب بھی نہیں سمجھا !
وہ ایک تاثر کے عالم میں بولی
اس دنیا سے میں تنگ آچکی ہوں ، سب کو دیکھ لیا۔ عاشق زار شوہر

کو بھی، محبت کرنے والے باپ کو بھی، چاہ کا دم بھرنے والے بھائیوں کو بھی، جان دینے والی بہنوں کو بھی، سب کو۔اس دنیا میں رہتے ہوتے مجھے شرم آتی ہے، جہاں یہ سب لوگ بھی موجود ہوں ___!

پھر کیا سوچا آپ نے ؟

وہ بولی

مجھے ڈر ہے میرا بچہ بھی اس آب و ہوا میں پل کر جس میں اس کا خاندان پلا ہے ویسا ہی ہو جاتے گا۔ اور میں کسی قیمت پر بھی اُسے کھونا نہیں چاہتی لہٰذا اب میں "نئی دنیا" میں جا رہی ہوں، جہاں نہ شوہر صاحب ہوں گے، نہ والد بزرگوار نہ برادران محترم، نہ خواہران عزیز، جہاں نہ مجھے کوئی جاننے والا ہو گا نہ میں کسی کی شناسا ہوں گی، وہی غالب والی بات، اور اگر مرجائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو!

ان الفاظ میں کتنا درد، کتنا سوز و گداز تھا یہ میں پورے طور پر محسوس کر رہا تھا، لیکن میں بے بس تھا، کر کیا سکتا تھا؟ میں نے پوچھا۔

لیکن واشنگٹن کا انتخاب کیوں کیا؟

وہاں مجھے نوکری مل گئی ہے!

نوکری؟ واشنگٹن میں؟

ہاں سفارت خانے میں مستقل پوسٹ ہے، تنخواہ بھی معقول ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دنیا بھی نئی ہے، وہاں مجھے یک سوئی حاصل ہو گی۔

اور میں اطمینان سے اپنے بچہ کی تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دے سکوں گی!

کھانا ختم ہوا اور ہم پھر آکر صوفے پر بیٹھ گئے اور باتیں ہونے لگیں،

میں نے پوچھا

آپ کے آنے کی منظفر کو اطلاع ہے ؟

نہیں ــــ !

کروں انھیں فون ؟

جی نہیں ــــ !

اب آپ گویا مستقل طور پر جا رہی ہیں کیا حرج ہے اگر ایک مرتبہ جاتے جاتے مل لیں !

اس نے بہت سنجیدہ ہو کر کہا

انجان صاحب آپ نہیں جانتے جرم ہے ؟

آخری بار ملنے میں بھی ؟

جی ہاں خاص کر آخری بار ملنے میں !

کیا ؟ مجھے تو کوئی بات نظر نہیں آتی !

میں نے اپنے آپ پر کنٹرول کر لیا ہے ۔

منظفر کی یاد اب مجھے نہیں ستا سکتی ، اور ستائے بھی تو میں اُس کے قابو میں نہیں آ سکتی ۔ لیکن یہ بچہ ؟

کیا ہوا اسے ؟

میں اس کے دل سے منظفر کی یاد بھلا چکی ہوں ۔ اگر یہ ان سے ملا تو پھر معاملہ دو ہرا ہو جائے گا ۔ یہ بچپن میں منظفر سے بہت ہو ہوا تھا اس کے دل میں پھر باپ کی محبت جگہ کرے گی اور پھر میرا واشنگٹن جانا بے کار ہو جائے گا ۔ !

آخر آپ باپ بیٹے میں جدائی کیوں رکھنا چاہتی ہیں ؟

وہ مسکرائی۔

آپ یہ بھی نہیں جانتے؟

نہیں تو ــــــ!

واقعی آپ بڑے بھولے ہیں ــــــ میں اُسے مظفر سے اس لئے دور رکھنا چاہتی ہوں کہ یہ اُن سے نفرت نہ کرنے لگے۔ ایسا بیٹا۔ جو اپنے باپ سے نفرت کرے اُسے میں پالنا نہیں چاہتی اور میں اس کی ماں بھی بننا نہیں چاہتی۔!

میری نظر بے ساختہ عارفہ کے پرنور چہرے پر اٹھ گئی۔ میرے دل نے اسے عقیدت کا سجدہ کیا، واقعی یہ عورت اخلاق و کردار کی کتنی اونچی چوٹی پر بیٹھی ہوئی تھی، ایورسٹ سے بھی اونچی چوٹی ــــــ ــــــ یہ اب تک مظفر کو بھول نہیں سکی تھی۔ اس کے دل میں اب تک مظفر کی محبت رچی اور بسی ہوئی تھی، لیکن نہ یہ مظفر کو معاف کر سکتی ہے، نہ سزا دے سکتی ہے، نہ انتقام لے سکتی ہے، جو مظفر سے نفرت کرے۔ یہ اس کی دشمن ہو جائے گی، حتیٰ کہ اپنے لخت جگر، جوانی کی آس اور بڑھاپے کے سہارے تک سے بھی یہ اپنی زندگی سراسر آگ بنا دے گی مگر یہ نہ چاہے گی کہ اس کی آگ کے شرارے مظفر کے دامن تک پہنچیں، اس کا دھواں مظفر کے عشرت خانہ میں بسیرا لے، میں ٹکٹکی باندھے اُسے دیکھ رہا تھا۔

اُس نے کہا:۔

کیا بات ہے انجان صاحب، کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟

میں نے جواب دیا۔

آپ کو — !

مجھ میں کون سی ایسی بات ہے کہ آپ مجھے دیکھے جائیں ؟

میں نے کہا

کہہ دوں — ؟

بولی

کہئے — !

بُرا تو نہ مانئے گا !

نہیں — !

جی چاہتا ہے آپ کو سجدہ کروں ، کیا آپ اجازت دیں گی — ؟

وہ پھر مسکرا دی — وہی تبسم جس میں مسرت ناپید، اور الم نمایاں تھا۔ پھر اس نے کہا

آپ نے شعر اچھا کہا ہے ، لیکن ذرا ناموزوں ہے !

مجھے بھی ہنسی آ گئی ۔

میں نے گھڑی دیکھ کر کہا

اوہ ساڑھے بارہ ہو گئے !

تو کیا ہوا آپ بھی گھبرا گئے مجھ سے ؟

کیسی باتیں کرتی ہو بہن !

وہ بولی

صبح چار بجے میرا طیّارہ ہوائی اڈہ سے پرواز کرے گا، ۳ بجے میں یہاں سے کمپنی کی گاڑی میں جاؤں گی ، دو ڈھائی گھنٹے اور ہیں، بیٹھیے روز روز تو آپ کو تکلیف دینے سے رہی ۔

میں نے کہا

میں ہوائی اڈہ تک آپ کو پہنچانے چلوں گا!

وہ بولی

شکریہ مجھے بڑی خوشی ہوگی آپ کو یہ تکلیف دے کر!

میں سگریٹ پر سگریٹ پی رہا تھا اور باتیں کر رہا تھا۔

عارفہ نے پوچھا

کہئے آپ کی رعنا کا کیا حال ہے؟

مجھے بھی وقت گزاری کا اچھا موقع ملا۔ ساری داستان میں نے سنا ڈالی اور وہ اطمینان و لطف کے ساتھ سنتی رہی اب دو بج چکے تھے رات کے، پھر اس نے پوچھا

چاندنی کے کیا رنگ ہیں —؟

میں نے چاندنی کی ساری کتھا بھی سنا ڈالی، اس کی لڑکی، فتو چمن بائی اور سیٹھ ہیرا چند کی کشمکش کے واقعات سن کر وہ بہت لطف اندوز ہوئی ——!

اب ڈھائی بج چکے تھے، ہوٹل کے دروازہ پر کمپنی کی گاڑی آ کر رکی، کچھ اور مسافروں کو اور ہم دونوں کو لے کر وہ سنتا کروز کی طرف چل دی، وہاں کچھ کسٹم کے تماشے ہوئے پھر وہ اپنے نونہال کو لے کر ایک دیو پیکر طیارہ میں بیٹھ گئی۔

میں نے کہا

کبھی کبھی خط لکھئے گا!

اُس نے کہا

اس کا وعدہ نہ کیجیے! میں خط نہیں لکھوں گی، آپ ہی کو نہیں کسی کو بھی نہیں، اس دنیا سے اپنا رشتہ میں بالکل منقطع کر لینا چاہتی ہوں اور میرے اس فیصلہ پر اثر ڈالنے کی کوشش نہ کیجیے!

میں خاموش ہو گیا۔

طیارہ میں حرکت پیدا ہوئی اس نے طیران گاہ کا تیزی کے ساتھ ایک گشت لگایا۔ پھر وہ اٹھا پھر بلند ہوا اور اتنا اونچا اڑا کہ کبوتر کی طرح دکھائی دینے لگا اس کی سرخ اور سبز بتیاں باری باری سے بجھ بجھ کر روشن ہو رہی تھیں اور وہ اڑا چلا جا رہا تھا، اس دنیا سے دور، ایک نئی دنیا کی طرف، ایک انجان دنیا کی طرف، یہاں تک کہ وہ فضا میں غائب ہو گیا ———

نفیس ترین لٹریچر

ہمارے ناول

آنے روپے

حجاج بن یوسف رئیس احمد جعفری ۵—۱۲

طارق : " " ۶—۰

فریب ہستی جاسوسی ناول ۔ منشی تیرتھ رام فیروز پوری ۵—۰

فردوس : قیسی رام پوری ۴—۱۲

تیر نیم کش : خلیل احمد ایم ۔ اے ۴—۰

راگنی : محمد سلیم اللہ انصاری ۴—۴

رخشاں : سعیدہ مظہر ایم ۔ اے ۳—۴

ہما خانم : سجاد حیدر یلدرم ۲—۱۲

خطا : قیسی رام پوری ۳—۰

تحسین : " " ۳—۴

دلِ ناداں : ہادی حسین ایم اے ۳—۱۲

بے غیرت : یحییٰ صدیقی ایم اے ۳—۱۲

چاندنی : رئیس احمد جعفری ۴—۰

ہچکولے : " " ۴—۰

آنے روپے

طوفان : رئیس احمد جعفری ۴—۴

عشرت : عارف بٹالوی ۲—۸

روسیاہ : رئیس احمد جعفری ۴—۰

طنز و مزاحیہ

ممنوعہ لٹریچر : ابراہیم جلیس ۳—۰

چالیس کروڑ بھکاری : " ۲—۰

کچھ غم جاناں کچھ غم دوراں ، نکتہ چیں ہے غم دل ، افتخار حسین ۳—۴

آج کل کے رومان : خواتین کے افسانے ۲—۱۲

کسک : تسنیم سلیم چھتاری ۲—۱۲

غبار : قیسی رام پوری ۲—۴

نفسیات

شعور و لاشعور : علامہ موٹلی مصری ۳—۰

	آنے	روپے
نوجوانوں کی نفسیات : ڈاکٹر ریاض محمد عسکری	۱۲	۳
قوت ارادی : مترجمہ عبدالوہاب	۴	۳
نوجوانوں کی جنسی مشکلات : ڈاکٹر احمد عزت راج	۰	۳
بچوں کی دیکھ بھال :۔ مسلم ضیائی ایم۔ اے	۰	۴
کامیاب جنسی زندگی : بدر شکیب	۱۲	۳
جنس اور نوجوان : سید سعید اشرف ندوی	۱۲	۳
خوش گوار زندگی کی نفسیات : زیر طبع	۱۲	۴
پُر مسرت زندگی : (زیر طبع)	۱۲	۳

ادب ۔ تاریخ ۔ تنقید ۔ فلسفہ

	آنے ۔ روپے
فلسفۂ عجم : علامہ اقبال	۳ — ۲
تصورات اقبال : شاغل فخری	۳ — ۶
قائدِ ملت نواب بہادر یار جنگ مرحوم : سوانح غلام محمد بی ۔ اے	۲ — ۱۴
سیر افغانستان : سید سلیمان ندوی	۲ — ۸
فکرِ فرنگ : آغا افتخار حسین	۲ — ۸
فلسفیوں کے خواب : علامہ موسٰی مصری	۲ — ۸
فلسفہ امن : احمد حسین نقوی	۲ — ۸
کرنل لارنس : مشیر حسین	۲ — ۱۲
کوہ نور کی سرگذشت : رہبر فاروقی	۱ — ۴
نثر ریاض خیرآبادی : دلچسپ مضامین ریاض	۲ — ۸
جگر مرادآبادی : حالات انتخاب کلام	۲ — ۱۰
سہیل کی سرگذشت : رشید احمد صدیقی	۳ — ۱۲
زہریلے آنسو : قاضی نذرالاسلام کی نظموں کا ترجمہ	۲ — ۱۰

اسلامی

حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی : علامہ مناظر احسن گیلانی	۸ — ۱۲
اسلام کی سیاسی تاریخ : ڈاکٹر ابراہیم حسن پی ۔ ایچ ۔ ڈی	۹ — ۱۲
اسلام کا نظام حیات : عبدالوہاب ظہوری	۴ — ۴
حکومتِ الٰہیہ : علامہ عبدالوہاب بیرسٹر	۳ — ۱۲

	روپے آنے
تاریخ اسلام کے حیرت انگیز لمحات۔ عبداللہ عنان بیرسٹر	۳—۱۲
اسلامی نظریہ اجتماع : حمید زماں صدیقی	۲—۱۲
اسلام اور سود : ڈاکٹر انور اقبال قریشی	۳—۸
تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ : علامہ مناظر احسن گیلانی	۳—۱۲
تاج دار دو عالم : عبدالرحمٰن عزم بے	۲—۱۲
داستانِ کربلا : عبدالرحمٰن صدیقی	۲—۱۲
ذکر جمیل : (نعتیہ کلام) ماہر القادری	۱—۸
عالمگیر اسلامی تصورات : احمد فتحی زاغلول	۳—۴
مکاتیب امام غزالی : احمد غزالی	۳—۰
مقامات جمال الدین افغانی : مبارز الدین ایم۔اے	۳—۴
مقام جمال الدین افغانی : رفعت ایم۔اے	۳—۴

سیاسی

ہندوستان میں اقلیتوں کا مسئلہ : سید عبدالباری ایم۔اے	۳—۱۲
ہندوستان کی سیاسی انجمنیں : مولانا محمد علی مرحوم	۲—۱۲
تشریحاتِ پاکستان : علامہ عبدالقدوس ہاشمی	۲—۱۴
ہمارا پاکستان : علامہ شبیر احمد عثمانی	۰—۱۲
پاکستان مخالفین کی نظر میں : حسن ندوی	۱—۰
قائدین کے خطوط جناح کے نام : صدیقی	۲—۵
گاندھی جناح مراسلت : مسلم ضیائی	۰—۱۲

چاندنی ۳/۷

نانسیت : رزاقی ایم۔اے

آنے ۱۲ - روپے ۲

بچّوں کی کتابیں

مشاہیر اسلام

سیرت آنحضرت صلعم : غلام محمد بی۔اے	۱۰/
حضرت ابوبکر صدیق : الطاف شوکت بی۔اے	۷/
حضرت عمر فاروقؓ : " " " "	۷/
حضرت عثمان غنیؓ : اعجاز الحق قدوسی	۱۰/
حضرت علی کرم اللہ وجہہ : " "	۱۰/
حضرت امام حسنؓ : عبدالصمد ہاشمی مولوی فاضل	۸/
حضرت امام حسینؓ : " " "	۱۰/
حضرت بلالؓ : شاہین فاروقی بی۔اے	۷/
حضرت خالد بن ولیدؓ : " "	۷/
حضرت محمد بن قاسمؒ : " "	۷/
حضرت امام ابوحنیفہؒ : " "	۱۰/
حضرت ابوذر غفاریؓ : عثمان عمادی بی۔اے	۱۰/
حضرت امیر معاویہؓ : مرزا شبیر بیگ	۷/
حضرت شاہ ولی اللہ : " "	۷/
حضرت اسمٰعیل شہیدؒ : " "	۷/

حضرت مجدد الف ثانی : مرزا شبیر بیگ ۷/

فاتح اندلس : سعید الحق عمادی (موسیٰ بن نصیرؒ) ۱۲/

فاتح چین : (قتیبہ بن مسلمؒ) عثمان عمادی بی - اے ۱۲/

فاتح اسپین (حضرت عمر بن العاص) " " " ۱۲/

مشاہیر خواتین

حضرت عائشہ صدیقہؓ : طیب صدیقی ایم - اے ۱۴/

حضرت سیدہ فاطمہؓ : " " " " ۷/

حضرت خدیجۃ الکبریٰ : عثمان عمادی بی - اے ۷/

حکمران عورتیں : زینت ساجدہ ایم - اے ۸/

محب وطن عورتیں : " " " ۸/

بڑے لوگ

حضرت علامہ اقبال :- شاہین ایم اے ۷/

قائداعظم محمد علی جناح : " " " ۷/

مہاتما گاندھی : " " " ۷/

جواہر لال نہرو : " " " ۷/

رئیس الاحرار محمد علی مرحوم " " " ۷/

سوبھاش چندر بوس : " " " ۷/

ٹیگور : " " " ۷/

آن بان والے : عشرت رحمانی ۵/